اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | محرم الحرام ۱۴۴۴ھ | اگست ۲۰۲۲ء | شمارہ ۸

المعرق والرحیق للمحرق والغریق

اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں (قسط اول)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

المعرق والرحیق للمحرق والغریق

(اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں) (قسط اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا یہ وعظ ۱۳ رجب ۴۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا، جو حضرت والا نے بیٹھ کر تین گھنٹے پینتالیس منٹ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔ مخاطبین زیادہ تر سالکین تھے۔ جس میں ذکر کی اہمیت اور افادیت کو بیان کیا۔ اور ان اعمال کے صلہ میں ملنے والی جنتی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا اس راہ میں قدم رکھنے والوں کو جو مشقتیں پیش آتی ہیں ان کے ازالے کی تدابیر بھی بیان کی گئیں وعظ ذرا دقیق ہے لیکن انتہائی مفید مضامین پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۲۶ شوال ۱۴۴۳ھ۔ ۲۸ مئی ۲۰۲۲ء

وعظ

المعرق والرحیق للمحرق والغریق

(اہل سلوک کو جنت میں ملنے والی نعمتیں) (قسط اول)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۸
۲	افادہ جدیدہ پر لطیف استشہاد	۸
۳	ذکر اللہ سے غفلت	۱۰
۴	عجیب ادب	۱۱
۵	عارف کی دُعا	۱۴
۶	ہدیہ دینے کا ادب	۱۵
۷	رحمت کی ایک صورت	۱۷
۸	راحت کا لطف	۱۸
۹	بلا اذن تصرف	۲۲
۱۰	توجہ اور تصرف	۲۴
۱۱	عارف کی شان	۲۵
۱۲	ذکر کی اہمیت	۲۶
۱۳	رضاء الٰہی کی ضرورت	۲۸
۱۴	علم اور خشیت	۲۹
۱۵	طالب کی محرومی	۳۰
۱۶	ذکر کا نفع	۳۲

۱۷..... خدا کا تصور..... ۳۵
۱۸..... سادہ لوح مولوی صاحب..... ۳۶
۱۹..... عملی جواب..... ۳۷
۲۰..... محبت کا پیمانہ..... ۳۸
۲۱..... اہل اللہ کا امتحان..... ۴۰
۲۲..... سلوک کا تقاضا..... ۴۲
۲۳..... وسوسہ سے اجتناب..... ۴۳
۲۴..... قرآن وحدیث وتصوف..... ۴۴
۲۵..... جسم اور اعمال کا تعلق..... ۴۵
۲۶..... محبت نقشبندی اور چشتی کی مثال..... ۴۷
۲۷..... قیاس فاسد کی مثال..... ۴۸
۲۸..... اختلاف طبائع..... ۴۸
۲۹..... چشتی نقشبندی اور حنفی وشافعی کے اختلاف کی حقیقت..... ۴۹
۳۰..... اخبار الجامعہ..... ۵۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک و سلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ ٱلۡأَبۡرَارَ يَشۡرَبُونَ مِن كَأۡسٖ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝٥ تَنزِيلًا عَيۡنٗا يَشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ ٱللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفۡجِيرٗا ۝٦ يُوفُونَ بِٱلنَّذۡرِ وَيَخَافُونَ يَوۡمٗا كَانَ شَرُّهُۥ مُسۡتَطِيرٗا ۝٧ وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينٗا وَيَتِيمٗا وَأَسِيرًا ۝٨ إِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمۡ جَزَآءٗ وَلَا شُكُورًا ۝٩ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوسٗا قَمۡطَرِيرٗا ۝١٠ فَوَقَىٰهُمُ ٱللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ ٱلۡيَوۡمِ وَلَقَّىٰهُمۡ نَضۡرَةٗ وَسُرُورٗا ۝١١ وَجَزَىٰهُم بِمَا صَبَرُواْ جَنَّةٗ وَحَرِيرٗا ۝١٢ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى ٱلۡأَرَآئِكِۖ لَا يَرَوۡنَ فِيهَا شَمۡسٗا وَلَا زَمۡهَرِيرٗا ۝١٣ وَدَانِيَةً عَلَيۡهِمۡ ظِلَٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوفُهَا تَذۡلِيلٗا ۝١٤ وَيُطَافُ عَلَيۡهِم بِـَٔانِيَةٖ مِّن فِضَّةٖ وَأَكۡوَابٖ كَانَتۡ قَوَارِيرَاْ ۝١٥ قَوَارِيرَاْ مِن فِضَّةٖ قَدَّرُوهَا تَقۡدِيرٗا ۝١٦ وَيُسۡقَوۡنَ فِيهَا كَأۡسٗا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ۝١٧ عَيۡنٗا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلۡسَبِيلٗا (۱)

(۱) ”(اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے (اور) جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائینگے۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔ اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا فعلی) بدلہ چاہیں گے اور نہ (اس کا قولی) شکریہ (چاہیں) ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا۔ (بقیہ ترجمہ اگلے صفحے پر)

تمہید

اس وقت مجھ کو جس مضمون کا بیان کرنا ہے وہ ان آیات کا مدلول نہیں ہے مگر علمِ اعتبار (۱) کے طور پر ان آیات کو اس مضمون سے ایک مناسبت لطیفہ (۲) ہے اور اسی لطافت کی وجہ سے ان کو پڑھا گیا ہے، ہر چند کہ ان آیات کی دلالت قواعد شرعیہ سے اس مضمون پر کافی نہیں ہے مگر وہ مضمون دیگر نصوص صریحہ میں منصوص ہے (۳) اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس وقت میں انہیں آیات کی تلاوت کرتا جن آیات کی دلالت اس مضمون پر صریح ہے مگر اس کو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کوئی نئی بات نہ معلوم ہوتی۔

افادہ جدیدہ پر لطیف استشہاد

جی یہ چاہا کرتا ہے کہ بیان میں افادۂ جدیدہ ہو اس لیے میں نے ان آیات کو جدید فائدہ کے لیے تلاوت کیا ہے تا کہ اِن سے اس مضمون پر ایک لطیف استشہاد (۴) ہو سکے اس لطافت کی غرض سے میں نے ان آیات کو بیان کے لیے اختیار کیا، اب وہ مضمون سننا چاہئے جو کہ بہت ضروری ہے گو اس وقت کا بیان محض اس مضمون کی ضرورت کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ بعض طالبین کی استدعا (۵) کی وجہ سے ہو رہا ہے مگر بات یہ ہے کہ محض استدعاء بیان کے لیے محرک کافی نہیں (۶) بلکہ استدعاء کے بعد جب کوئی ضروری مضمون بھی ذہن میں آجاتا ہے اس وقت بیان ہوتا ہے پس مضمون کی

(بقیہ ترجمہ پچھلے صفحے کا) اور ان کی پختگی (یعنی) استقامت فی الدین) کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا۔ اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ جاڑا۔ اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور انکے میوے ان کے اختیار میں ہونگے (کہ ہر طرح ہر وقت بلا مشقت لے سکیں گے) اور انکے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشہ کے ہونگے۔ (اور) وہ شیشے چاندی کے ہونگے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا۔ اور وہاں ان کو (علاوہ جام شراب مذکور کے) ایسا جام شراب پلایا جاویگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ سورۃ الانسان: ۵۔۱۸ (۱) علم اعتبار کی حقیقت ایک شبہہ کو دوسرے شبہہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے اس سے مقصود تفسیر و تعیین مراد نہیں ہوتی بلکہ ایک شئ کی حالت کو دوسری شئ کی حالت پر محض تمثیل و قیاس ہوتا ہے (۲) عمدہ مناسبت (۳) قرآن وحدیث میں دوسرے مقام پر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے (۴) عمدہ استنباط (۵) درخواست (۶) خالی درخواست کر دینا بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔

ضرورت کو بھی بیان میں دخل ضرور ہے اور اس مضمون کا اصل خطاب اہل ذکر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس کی ضرورت سالکین کو جو اللہ کا نام لینے والے ہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے اس لیے میں نے اس کے بیان کے لیے یہ مجلس جس میں سالکین کثرت سے ہیں اختیار کی ہے۔ گو استدعا پرسوں (جمعرات کو) ہوئی تھی اور شاید مستدعی (۱) نے قرب جمعہ کی وجہ سے یہ خیال کیا ہوگا کہ بیان جمعہ میں ہوگا اور شاید اسی خیال سے استدعاء بھی جمعہ کے قریب کی گئی کیونکہ وہ دن بھی ایسا ہے کہ جس میں اہل علم کی عادت بیان کرنے کی ہے مگر میں نے چند وجوہ سے کل بیان نہیں کیا ایک تو کچھ طبیعت اچھی نہ تھی اور میں نے وعدہ اسی شرط پر کیا تھا کہ اگر طبیعت میں نشاط ہوا تو بیان کردوں گا گو نشاط کا پیدا ہونا جی کے سمجھانے پر ہے جب آدمی کسی کام کا ارادہ کرلیتا ہے تو نشاط بھی پیدا ہو ہی جاتا ہے پس یہ کوئی مانع قوی نہ تھا مگر وعدہ نشاط ہی پر معلق تھا اور اصل وجہ کل نہ بیان کرنے کی یہ تھی کہ جمعہ کے دن مجمع عام ہوتا ہے اور اس مضمون کا تعلق زیادہ تر خاص جماعت سے ہے وہی مقصود بالخطاب ہیں دوسرے جمعہ میں اجتماع ایک دعوت عامہ للصلوٰۃ (۲) کی بنا پر ہوتا ہے لوگ نماز کی غرض سے آتے ہیں اس کے بعد اگر بیان کیا جاتا ہے تو بعض لوگوں کو شرمًا شرمًا بیٹھنا پڑتا ہے۔ آزادی نہیں رہتی اور جمعہ کے علاوہ کسی دن بھی بیان کیا جاوے تو دعوت عامہ کی وجہ سے اجتماع نہ ہوگا بلکہ دعوت خاصہ سبب ہوگی اور یہاں تو دعوتِ خاصہ بھی نہیں ہوئی بلکہ اتفاقاً (یا خود کسی سے سن سنا کر) سب لوگ جمع ہو گئے ہیں تو اس صورت میں جو کوئی سنے گا آزادی سے سنے گا، کیونکہ وہ خاص اسی غرض کے لیے آیا ہے، بہرحال چونکہ اس مضمون کی ضرورت اہلِ ذکر ہی کو محسوس ہوتی ہے اس لیے یہ خاص وقت اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے، عام وقت اور عام مجمع اختیار نہیں کیا گیا اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس کی ضرورت اہل ذکر ہی کو محسوس ہوتی ہے سب کو محسوس نہیں ہوتی ورنہ درحقیقت مضمون عام ضرورت کا ہے سب مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے مگر کیا کیا جائے۔

(۱) درخواست کرنے والے (۲) لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں جس کے لیے عام دعوت دی جاتی ہے۔

ذکر اللہ سے غفلت

آج کل مسلمانوں نے عموماً ذکر اللہ کو چھوڑ رکھا ہے، ایک خاص جماعت ہی ذاکر رہ گئی ہے ورنہ کیا ذکر اللہ بھی ایسی چیز ہے جو کسی خاص جماعت سے مخصوص ہو اس کی تو ہر مسلمان کو ضرورت ہے اگر سب ذاکر ہوتے تو اس مضمون کے مخاطب سبھی ہوتے مگر افسوس کہ آج کل عموماً مسلمان ذکر سے غافل ہیں، رات دن دنیا ہی کے قصہ میں لگے رہتے ہیں یہ نہیں کہ ان کو وقت نہیں ملتا، اے صاحب! وقت تو اتنا ملتا ہے کہ اس کو اِدھر اُدھر کاٹتے پھرتے ہیں مگر یہ کہئے کہ وقت کی قدر ہی نہیں اور ذکر کی طلب ہی نہیں طلب وہ چیز ہے کہ اپنا وقت خود نکال لیتی ہے اور عام لوگوں کی میں کیا شکایت کروں ستم یہ ہے کہ سمجھدار لوگ بھی اس سے غافل ہیں اور سمجھدار لوگوں سے میری مراد اہلِ علم ہیں کہ ان کو بھی پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و وعظ گوئی ہی میں مزہ آتا ہے، ذکر سے جان چراتے ہیں، پرسوں میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا جو اہلِ علم ہی میں سے ہیں گو مشاہیر وممتازین سے نہیں وہ لکھتے ہیں کہ اوراد سے میرا بڑا جی گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا کہ روز صبح کو سورۃ یٰسین پڑھو، ظہر کے بعد ہر روز انا فتحنا پڑھو، بعد عشا کے سورۂ ملک پڑھو اور روزانہ چکی کی طرح کئی ہزار دفعہ ذکرِ اسم ذات کرو۔ ہاں مطالعہ کتب میں بہت جی لگتا ہے مگر انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں اس وسوسہ کو دفعہ کرتا ہوں اور ہمت کر کے سب اوراد پورے کرتا ہوں یہ علم کا اثر تھا کہ وسوسہ کی غلطی پر متنبہ ہو گئے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہی کیوں آیا کبھی روٹی کھانے کے متعلق وسوسہ نہ آیا کہ یہ روز گیہوں کی روٹی کھانا کہاں کا جنم روگ لگا، کبھی بیوی کے پاس لیٹنے میں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگ گئی اور اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوق اس کے پاس روزانہ آیا کرے تو کیا اس کو کبھی یہ خیال ہوگا کہ یہ کہاں کا جم روگ پیچھے لگا، کمبخت روز ہی آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ وہ تو یہ بہانہ ڈھونڈے گا کہ اور تھوڑی دیر بیٹھے عاشق محبوب کے ساتھ مجالست اور محادثت (۱) کبھی

(۱) ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے میں بھی مختصر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

اختصار کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے یہ چاہتا ہے کہ وصل کی رات کبھی تمام ہی نہ ہو پھر وہ اس کی روزانہ آمد روفت سے کیونکر گھبرا سکتا ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب سوال ہوا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَٰمُوسَىٰ (۱) تو آپ جواب میں عرض کرتے ہیں هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ (۲) یہاں آپ نے ایجاز سے کام نہیں لیا بلکہ اطناب (۳) سے کام لیا مگر اطناب مہمل نہیں جس کو اسہاب (۴) کہا جائے بلکہ اطناب مفید جو کہ بلاغت کی ایک نوع ہے اور مفید کس کو موسیٰ علیہ السلام کو، کیونکہ اس اطناب سے ان کو اپنے شوق کا اظہار مقصود تھا کہ جب محبوب کے ساتھ بات کا موقع مل گیا تو جہاں تک دائرہ بلاغت میں رہ کر کلام میں وسعت ہوسکے اس کو وسعت دینا چاہئے۔ اس لیے آپ نے عصا کے متعلق جتنی باتیں بیان میں آسکتی تھیں سب بیان کردیں، یہ بھی اہل طریق کا ایک معمول ہے کہ وہ سوال کا جواب مقام ادب میں بھی پورا دیتے ہیں، گو اس میں اطناب ہی ہوجائے، البتہ ایسا اطناب نہ ہو جو بیکار وفضول ہو بلکہ جواب پورا ہو اور اطناب مفید ہو۔

عجیب ادب

آج کل یہ عجیب ادب نکلا ہے کہ بزرگوں کے سامنے گفتگو اَدھوری کرتے ہیں آدھی بات زبان پر ہوتی ہے، آدھی پیٹ میں کبھی جواب پورا ہی نہیں دیتے کیونکہ پوری بات کہنا خلاف ادب ہے سبحان اللہ اور تکلیف دینا بڑا ادب ہے ارے بھائی اگر ان کے سامنے بولنا بے ادبی ہو بھی تو امر کے بعد تو بے ادبی نہ رہے گی کیونکہ مشہور مسئلہ ہے: ''الامر فوق الادب'' (۵) اول تو جواب پورا دینا بے ادبی ہے ہی نہیں اور گر فرضاً ہو بھی تب بھی امر (۶) کا بجالانا ہی ادب ہے، یہاں محض اہل حال کی ایک غلطی معلوم ہوگئی وہ

(۱) ''اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے'' سورہ طٰہٰ: ۱۷ (۲) ''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور کبھی اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور کام بھی نکلتے ہیں'' سورہ طٰہٰ: ۱۸ (۳) اختصار کے بجائے تفصیل سے جواب دیا (۴) بات کو فضول لمبا نہیں کیا کہ جس کو تضییع اوقات کہیں (۵) حکم کا درجہ ادب سے بڑھ کر ہے (۶) حکم۔

یہ کہ بعض اہل حال بیماری اور مصیبت وغیرہ میں دعاء نہیں کرتے اور اس کو خلاف ادب سمجھتے اور یوں کہتے ہیں۔

چہ حاجت است بہ پیش تو حال دل گفتن کہ حال خستہ دلاں را تو خوب می دانی(۱)

کہ حق تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے پھر دعاء کی کیا حاجت ہے، سو وہ سن لیں کہ گو بظاہر تمہاری دلیل صحیح ہے اور اس کے لحاظ سے دعا کی ضرورت نہیں مگر ایک دوسری وجہ سے ضرورت ہے وہ کیا، وہ ضرورت یہ ہے کہ محبوب کا امر (۲) ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بے ضرورت ہی ان سے مانگو اور اپنی احتیاج ظاہر کرو، گو وہ سب کچھ جانتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ازدعا نبود مرادِ عاشقاں جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں (۳)

یعنی دُعا سے عاشقوں کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے ساتھ کچھ دیر باتیں ہی کرلیں کیونکہ اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی کہ وہ خود دعا کا امر فرماتے ہیں تو وہ عاشق بڑا محروم ہے جس کو محبوب اجازت دے کہ ہم سے باتیں کرو اور وہ منہ بند کرلے کہ آپ کو تو سب معلوم ہے پھر میں کیوں کہوں، یہ تو خامی عشق کی دلیل ہے اگر عاشق ہوتے تو اس موقع کو غنیمت سمجھتے کہ جب وہ بولنے کی اجازت دے رہے ہیں تو مجھ کو خوب بولنا چاہئے اسی لیے امر کے بعد وہ خوب بولتے ہیں اور اتنا بولتے ہیں کہ دوسرے اس کو بے ادب سمجھنے لگتے ہیں اسی لیے مولانا فرماتے ہیں۔

بے ادب تر نیست زدکس درجہاں با ادب تر نیست زوکس درنہاں

جہاں سے مراد علانیہ ہے اور نہاں سے مراد باطن ہے یعنی عاشق سے بڑھ کر ظاہر میں کوئی بے ادب نہیں ہوتا (کیونکہ وہ ایسا سر ہو کر دعا کرتا ہے جیسے کسی سے لڑ رہا ہو) اور باطن میں اس سے بڑھ کر باادب کوئی نہیں ہوتا کیونکہ اس کے زیادہ بولنے کا

(۱)'' آپ کے سامنے حال دل کہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ آپ تو حال دلِ خستہ کو خوب جانتے ہیں''
(۲) محبوب کا حکم ہے (۳)''دعا سے عاشقوں کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے محبوب حقیقی سے خوب دیر تک لذت کلام ومناجات حاصل ہو''

منشاء محبت ہے اور اس طریق میں محبت ہی بڑا ادب ہے (ودلیله قوله صلی الله علیه وسلم، ان الله یحب الملحین فی الدعا۱۲) (۱) مگر اتنا فرق ہے کہ محبت میں عارف تو حدود کا خیال رکھتا ہے اور مجذوبین ومسلوب العقل (۲) لوگوں سے بعض کلمات حدود سے باہر بھی نکل جاتے ہیں مگر چونکہ منشاء اس کا بھی محبت ہی ہے اس لیے وہ ظاہر میں بے ادب معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں ادب سے بھرے ہوئے ہیں ان پر ملامت کا حق نہیں گو تقلید بھی جائز نہیں بہرحال امر کے بعد عاشق کو سکوت جائز نہیں جب وہ بولنے کا حکم کرے تو بولنا چاہئے، اس لیے یہ کسی ناقص کلام ہے۔

چہ حاجت است بہ پیش تو حال دل گفتن الخ(۳)

محقق کا کلام یہ ہے

جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں　　از دعا نبود مرادِ عاشقاں (۴)

اور

جوشش عشق است نے ترک ادب　　گفتگوئے عاشقاں در کار رب (۵)

اس وقت بولنا ہی ادب ہے اور پوری بات کہنا ہی محبت کی علامت ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر ایجاز سے کام نہیں لیا بلکہ اطناب (۶) کے ساتھ جواب دیا کیونکہ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَٰمُوسَىٰ (۷) کے جواب میں اتنے لمبے جواب کی ضرورت نہ تھی صرف هِيَ عَصَايَ (یہ میری لاٹھی ہے) کہہ دینا کافی تھا بلکہ صرف ''عصای'' بھی کافی تھا ''ھی'' کا بڑھانا بھی اطناب ہے بلکہ یاء متکلم کی بھی ضرورت نہ تھی صرف ''عصا'' ہی کافی تھا اور خیر اس کو اگر کوئی اطناب نہ مانے تو آگے۔

(۱) ''اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک لپٹ لپٹ کر مانگنے والوں کو پسند کرتے ہیں فتح الباری لابن حجر ۱۱:۹۵، الدر المنثور ۵:۵۶۳ الدر المنثر :۴۶ (۲) مجذوب اور کم عقل لوگ (۳) تیرے سامنے حال دل کہنے کی کیا ضرورت ہے (۴) ''دعا سے عاشقوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے محبوب حقیقی سے خوب دیر تک لذت کلام ومناجات حاصل ہو'' (۵) ''عاشق کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبت میں جوش عشق سے ہوتی ہے نہ کہ ترک ادب سے جیسا کہ اہل ظاہر ان کے ظاہر کلام سے بدگمانی کرتے ہیں'' (۶) مختصر کے بجائے تفصیلی جواب دیا (۷) ''اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي (۱) تو یقیناً اطناب (۲) ہے کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں سہارا لیا کرتا ہوں اور اس سے بکریوں کے لیے پتے جھاڑا کرتا ہوں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اتنا اور بڑھاتے ہیں وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ کہ اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔ اس میں تفصیل کا موقع رکھ لیا کہ ایسی بات کہی جس سے پھر سلسلہ کلام کا تازہ ہوسکے کہ وہ پوچھیں ہاں صاحب وہ دوسرے کام کیا ہیں تو پھر اور باتیں بیان کروں یا بے پوچھے عرض کرسکیں کہ اُس وقت جو عرض کیا تھا وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ اس وقت اس کی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں تو اس وقت اطناب کا منشاء صرف یہی تھا کہ عاشق محبوب کے ساتھ گفتگو میں اختصار نہیں کیا کرتا بلکہ یہ چاہا کرتا ہے کہ ایک منٹ کی بات ہو تو چار منٹ لگ جائیں کیونکہ اس کو محبوب کے ساتھ گفتگو کرنے میں لُطف آتا ہے، جان میں جان آتی ہے تو وہ ایسے موقع میں تطویل کلام کے لیے موقع ڈھونڈا کرتا ہے۔

عارف کی دُعا

اسی طرح عارفین دُعا ضرور کرتے ہیں جس سے مقصود محض حق تعالیٰ سے مناجات اور نیازمندی کی چپکے چپکے باتیں کرنا ہوتا ہے عارف کو تو دعاء میں ثواب کا قصد بھی نہیں ہوتا گو اہل ظاہر کو اس سے وحشت ہوگی مگر میں سچ کہتا ہوں کہ عاشق کو محبوب سے باتیں کرتے ہوئے بجز لذت خطاب (۳) کے اور کسی طرف التفات (۴) نہیں ہوا کرتا کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو اس مقام پر تطویل کی ہے تو اس سے ان کو ثواب کا قصد تھا، صاحب اس پر تو ان کو التفات بھی نہ ہوگا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عارفین کو ثواب سے استغنا ہوتا ہے ہرگز نہیں، ان کا تو کوئی فعل بھی طلب ثواب سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ طلب ثواب کے معنی طلب رضا ہی تو ہیں اور طلب جنت اور طلب رضا واحد ہے اور ظاہر ہے کہ عاشق کا کوئی فعل طلب رضاء محبوب سے خالی نہیں ہوتا، پس عشاق کا دعا کے وقت محض اللہ تعالیٰ سے بات چیت کا قصد کرنا یہ بھی حقیقت میں طلب ثواب ہی ہے پس یوں کہنا چاہئے کہ ان کو ثواب کا قصد ہوتا ہے مگر ادھر خیال والتفات نہیں ہوتا جب محبوب عاشق سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کا جواب دیتے

(۱) سورہ طٰہٰ: ۱۸ (۲) تفصیل (۳) سوائے باتوں سے لطف اٹھانے کے (۴) توجہ۔

ہوئے عاشق کو ثواب کی طرف التفات نہیں ہوسکتا گو فی نفسہ مقصود ضرور ہے اور اتنی بات تو ہم کو بھی حاصل ہے کہ گو ہماری نماز کچھ چیز نہیں ہے مگر نماز کے وقت ہم کو بھی ثواب پر التفات نہیں ہوتا گو اگر کوئی پوچھے کہ تم نماز کیوں پڑھتے ہو تو سوال کے بعد جواب میں یہی کہیں گے کہ ثواب کے لیے پڑھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کا قصد تو ہوتا ہے ورنہ یہ جواب کیوں دیتے، مگر نماز پڑھتے ہوئے اس پر التفات بہت کم ہوتا ہے پس یہی مطلب ہے میرے اس قول کا کہ عشاق کو دعا میں ثواب کا قصد بھی نہیں ہوتا اور بھلا ثواب سے عاشق کو استغنا کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ سید العاشقین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ کھانے کے بعد یوں فرماتے تھے کہ ''غیر مودع ولا مستغنی عنه ربنا'' سبحان اللہ کیا عبدیت ہے کھانا کھا چکنے کے بعد اس کو اٹھا دینا چونکہ ایک قسم کے اعراض کو موہم ہوسکتا ہے تو آپ اس کو اس طرح دور کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا اور چونکہ اب کھانے کی گنجائش نہیں رہی اس لیے کھانے کو اُٹھاتے ہیں ہمیشہ کے لیے رخصت نہیں کرتے شام کو پھر مانگیں گے اور ہم اس سے مستغنی نہیں ہوئے ہیں جب دنیوی نعمتوں سے بھی عشاق کو استغنا نہیں ہے تو ثواب سے ان کو کیونکر استغنا ہوسکتا ہے۔

ہدیہ دینے کا ادب

بعض جہلا کی عادت ہے بزرگوں کے سامنے کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یوں کہا کرتے ہیں کہ ہے تو یہ حقیر ہدیہ اس قابل نہیں کہ پیش کیا جائے، آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے نہ آپ کو اس کی پرواہ ہے مگر ہماری خاطر سے قبول کر لیجئے، یہ نہایت سخت کلمہ ہے نعم الٰہیہ (۱) سے کسی کو استغناء (۲) نہیں مشائخ کی بزرگی بھی اسی وقت تک ہے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں وقت کھانے کو دے رہے ہیں اور جو یہ نہ ہو تو نہ معلوم کیا حالت ہو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا قصہ بیان فرماتے تھے یہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھائی ہیں مگر تقویٰ میں سب سے

(۱) اللہ کے انعامات (۲) بے نیاز ہیں۔

بڑھے ہوئے تھے، گو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی طرح زیادہ مشہور نہیں ہوئے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے دھیلہ کی کوڑیاں (۱) ہدیہ میں پیش کیں آپ کو اس کی غربت پر رحم آیا اور غریب ہونا تو اسی سے ظاہر تھا کہ بیچارے نے دھیلے کی کوڑیاں پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ان کو تم ہی اپنے کام میں لے آؤ، اس نے اصرار کیا کہ حضرت میرا تو جی چاہتا ہے کہ آپ ہی ان کو قبول کرلیں میں نے آپ ہی کی نیت سے جمع کی ہیں مگر آپ نے عذر کر دیا وہ بے چارہ واپس لے گیا، اس پر مبتلاء عتاب ہو گئے یا تو اس لیے کہ ایک مسلمان کی دل شکنی ہوئی تھی یا اس لیے کہ آپ کے نفس میں کوئی بات مخفی ہوگی ممکن ہے کچھ وسوسہ استغناء کا تحقیر (۲) ہدیہ کی بناء پر آ گیا ہو کہ میں یہ کوڑیاں لے کر کیا کروں بعض دفعہ نفس میں کچھ دقیقہ مخفی ہوتا ہے اور کسی عمل میں نفس کا کچھ شائبہ ہوتا ہے جس کی مبتلا کو خبر نہیں ہوتی، اسی لیے بعض دفعہ شیخ مرید کی کسی ادنیٰ بات پر تشدد کرتا ہے جس سے مرید کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شیخ بڑے متشدد ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بات مرید کی نظر میں خفیف ہوتی ہے اور شیخ کی نظر میں شدید ہوتی ہے کیونکہ اس میں نفس کا جو کید ہے (۳) وہ مرید کی نظر سے خفی ہے اور شیخ کی نظر میں جلی ہے، حدیث میں آیا ہے ''الشرك اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا'' کہ شرک میری امت میں چکنے پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے بھلا اوّل تو چیونٹی کی چال ہی کیا ہوتی ہے پھر وہ بھی چکنے پتھر پر اس میں تو کچھ بھی اس کا احساس نہیں ہوسکتا تو جو مرض ایسا خفی ہو دوسرے تو اس کو کالعدم سمجھیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی شرک فرما رہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متشدد تھے کہ اتنی ذرا سی بات کو شرک سے تعبیر فرماتے ہیں ہرگز نہیں پھر حق تعالیٰ کی نظر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱) چھوٹی کوڑی مغل دور حکومت کا سب سے چھوٹا سکا تھا تین چھوٹی کوڑی کی ایک کوڑی ۱۰ کوڑی کی ایک دمڑی ۲ دمڑی ایک پائی ۱/۴ دھیلہ ۲ دھیلے ایک پیسہ، دو پیسہ ایک ٹکا دو ٹکے ایک آنا ۱۶ آنے ایک روپیہ۔ ایک روپے میں آنے ۳۲ ٹکے ۶۴ پیسے ۱۲۸ دھیلے ۱۹۲ پائیاں ۲۶۴ دمڑیاں ۲۶۴۰ کوڑیاں اور ۷۹۲۰ چھوٹی کوڑیاں ۷۹۲۰ چھوٹی کوڑی ہوتی تھی (۲) شاید کہ معمول یہ ہونے کی وجہ سے اپنے کو اس سے بے نیاز سمجھا (۳) نفس کا مکر۔

بھی زیادہ ہے وہ تو اس سے بھی خفی تر کو جانتے ہیں اس لیے بعض دفعہ حق تعالیٰ کسی ایسی بات پر مواخذہ فرماتے ہیں جس کا قابل مواخذہ ہونا مبتلا کو معلوم نہیں ہوتا گو وہ کتنا ہی بڑا عارف ہو مبتلا کو بعض دفعہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں نفس کا کچھ شائبہ تھا مگر حق تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے اس لیے مواخذہ فرماتے ہیں۔

رحمت کی ایک صورت

یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے عارفین پر کہ ان کی بات بات پر مواخذہ فرمالیں کیونکہ جس بچہ کو استاد روز ایک چپتی ماردیتا ہو (۱) یہ اس کی دلیل ہے کہ استاد کو اس پر شفقت ہے اور جس بچہ کو کبھی سزا نہ ملتی ہو اس پر خطرہ ہے کہ شاید استاد اسے اپنے مکتب سے نکالنا چاہتا ہے، اس کو آزاد چھوڑ دینا اس کی دلیل ہے کہ استاد کو اس سے محبت نہیں ہے اس لیے دنیا میں حق تعالیٰ کی طرف سے کچھ مواخذہ ہوتا رہنا بھی رحمت کی دلیل ہے بلکہ آخرت میں بھی مواخذہ ہو اور کسی مسلمان کو حق تعالیٰ جہنم میں بھیج دیں تو یہ بھی ان کی رحمت ہے کیونکہ قدر نعمت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید۔ نعمت کی قدر مصیبت کے بعد معلوم ہوا کرتی ہے جو شخص جہنم کا عذاب بھگت کر جنت میں جائے گا اس کو جنت کی بہت قدر ہوگی۔ ایک حدیث کے متعلق اپنے استاد علیہ الرحمہ کا ایک مضمون یاد آ گیا جو اسی اصل پر مبنی ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ قیامت میں جب سب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچ جائیں گے تو جنت میں کچھ جگہ خالی رہ جائے گی اور جہنم بھی نہ بھرے گی تو جنت عرض کرے گی کہ مجھ سے بھرنے کا وعدہ تھا تو مجھے بھرا جائے اور جہنم بھی کہے گی ھل من مزید کچھ اور بھی ہے تو حق تعالیٰ جہنم کے لیے تو کسی نئی مخلوق کو پیدا نہ کریں گے بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دیں گے یہ مشابہات میں سے ہے ہم اس کا مطلب بیان نہیں کر سکتے تو حق تعالیٰ کے قدم رکھنے سے جہنم سمٹ کر بھر جائے گی اور کہے گی قط قط یعنی بس بس میں بھر گئی اور جنت کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اس میں آباد کر دیں گے جس سے وہ بھر جائے گی، جب یہ حدیث ہم نے

(۱) ایک لکڑی کی چھڑی۔

پڑھی تو میں نے حضرت استاد سے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ تو ہم سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ بدون کچھ کئے بغیر مشقت کے جنت لے لیں گے، کاش ہم انہیں میں سے ہوجاتے تو حضرت استاد نے فرمایا خدا نہ کرے کہ ہم ان میں سے ہوتے میں وہ ہم سے زیادہ خوش قسمت نہ ہوں گے ہم ہی ان سے اچھے ہوں گے، واقعی ان حضرات کے علوم بھی عجیب ہیں جن کا دوسری جگہ کہیں پتہ نہیں فرمایا ہم دنیا کے مصائب جھیل کر جب جنت میں جائیں گے تو جوش میں کہیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۡ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (۱)

انہیں یہ بات کہاں نصیب کیونکہ جہاں حزن ہو وہیں اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کا بھی لطف ہے انہیں کیا لطف جن کو مشقت ہی نہیں ہوئی وہ تو یہ سمجھیں گے کہ بس یوں ہی ہوتا ہوگا کہ پیدا ہوئے اور جنت میں بس گئے ان کو جنت کی قدر ویسی نہ ہوگی جیسی ہمیں ہوگی۔

راحت کا لطف

اب سمجھ لو کہ جس شخص کو دنیا کی تکالیف کے ساتھ جہنم کا عذاب بھی بھگتنا پڑے اس کو دخول جنت کے وقت اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کا لطف اوروں سے زیادہ حاصل ہوگا کنارہ کی قدر اور لذت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو ڈوبنے کے بعد ساحل پر پہنچا ہو اس کے دل سے ساحل کی لذت پوچھو اور جو شخص ڈوبا ہی نہیں اس کو ساحل کی قدر اور لذت اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔ اب میں یہاں اپنا ایک قصہ ایک شبہ کے واقع ہونے کا اور اس کے جواب کے منکشف ہونے کا بیان کرنا چاہتا ہوں اور گو یہ مضمون متن میں بیان کرنے کے قابل تھا تمہید میں بیان کرنے کا ارادہ نہ تھا مگر اسی وقت یاد آیا تو میں بیان کئے دیتا ہوں نہ معلوم پھر یاد رہے یا نہ رہے۔

ایک دفعہ مجھ کو کچھ پریشانی سی پیش آئی تھی جیسا کہ زمانہ طلب میں عموماً اہل

(۱) ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے رنج وغم دور کردیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی کلفت پہنچے گی نہ کسی قسم کی خستگی'' سورۃ الفاطر: ۳۴۔۳۵۔

طریق کو پیش آیا کرتی ہے جب کہ وہ مجاہدات اور اذکار واشغال کچھ مدت تک کر لیتے ہیں اور ثمرہ محسوس نہیں ہوتا تو دل میں وصول کے لیے اضطراب اور بے چینی اور عجلت کا مضمون پیدا ہوتا ہے، یہی حالت باوجود مجاہدہ نہ کرنے کے براہ ہوس مجھ کو پیش آئی اور قلب میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے گو ہم اس قابل نہیں مگر اُلٹی سیدھی ہم کو حق تعالیٰ کی طلب بھی ہے گو عشق سعدی تابزانو (۱) ہی کی مثل سہی، شیخ سعدی نے ایک عاشق کو دیکھا تھا جو کسی محبوب کی طلب میں کوٹھے پر سے کود پڑا تھا، ٹانگ بھی ٹوٹ گئی تھی، آپ نے قصہ پوچھا کہ یہ کیوں پڑا ہے کیسے ٹانگ ٹوٹ گئی، لوگوں نے کہا کہ یہ اپنے محبوب کو دیکھ کر کوٹھے پر سے کود پڑا اس لیے چوٹ لگ گئی تو شیخ سعدیؒ بھی اسی زینہ کی ایک سیڑھی پر چڑھ کر کود پڑے اور فرمایا ''عشق سعدی تابزانو، کہ بھائی ہمارا عشق تو اتنا ہی ہے کہ ایک گز بلندی سے کود جائیں، تو ایسے ہی گو ہماری طلب کامل نہیں مگر پھر بھی بحمداللہ کچھ تو ہے، ادھر حق تعالیٰ قادر ہیں ان کو اسباب ووسائط (۲) کی کچھ ضرورت نہیں وہ اگر چاہیں تو دفعۃً واصل (۳) کر سکتے ہیں، ادھر وہ علیم بھی ہیں ہماری اس بے چینی اور اضطراب کی ان کو خبر بھی ہے پھر رحیم بھی ہیں اس حالت پر ان کو رحم بھی آتا ہوگا، پھر وصول میں دیر کیوں ہے جلدی کیوں نہیں ہوجاتا واقعی سچ فرمایا خلق الانسان عجولا (۴) انسان میں عجلت کا مادہ فطری ہے، غرض ان مقدمات کے بعد وصول کی تاخیر سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کس لیے ہے جب زیادہ الجھن بڑھی تو میں نے مثنوی سے فال لی اور اس فال کا یہ مطلب نہ تھا کہ میرے اعتقاد میں مولانا رومی نے آکر ورق الٹ دیئے ہرگز نہیں بلکہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ مولانا رومی متبرک بزرگ اور محقق تھے ان کا کلام بھی متبرک اور جامع ہے حق تعالیٰ اس کی برکت کو اس طرح ظاہر فرمادیتے ہیں کہ اس میں سے کوئی موافق مضمون نکال دیتے ہیں چنانچہ مثنوی کھولتے ہی سرورق پر اس کا جواب موجود تھا، یہ بھی نہیں کہ سطریں گننے کی ضرورت پڑی ہو جس کا جی چاہے مثنوی مطبوعہ کھول

(۱) ''سعدی کا عشق تو بس ایک قدم بھر کا ہے'' (۲) واسطوں (۳) اچانک منزل پر پہنچا سکتے ہیں (۴) انسان جلد باز پیدا ہوگیا ہے۔

کر دیکھ لے، یہ اشعار سرورق پر ملیں گے۔ جواب بھی ایسا نکلا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ خود بھی زندہ ہوتے تو یہی جواب دیتے واقعی عجیب جواب ہے جس میں کمال یہ ہے کہ میرے مقدمات بھی سب تسلیم کر لیے گئے پھر جواب دیا گیا فرماتے ہیں۔

چارہ مے جوید پئے من داد تو می شنودم دوش آہِ سرد تو (۱)

اس میں طلب اور علم کو تسلیم کیا گیا کہ بے شک تم کو طلب بھی ہے اور درد کے لیے چارہ کی تلاش بھی ہے اور مجھ کو اس کی خبر بھی ہے میں تمہاری آہ وفریاد کو سن رہا ہوں۔

میں تو انم ہم کہ بے ایں انتظار رہ نما یم داد ہم راہ گزار
تاازیں طوفان دوران وارہی برسر گنج و صالم پا نہی(۲)

اس میں قدرت کا ذکر ہے کہ یہ بھی مسلم ہے کہ ہم بدون کسی انتظار کے بھی واصل بنا سکتے ہیں اور ہم کو رحم بھی آتا ہے کہ تم کس طوفان بلا میں گرفتار ہو، جلدی وصول میں اس طوفان سے بھی نجات ہو جائے گی، ان سب مقدمات کا مقتضا تو یہی ہے کہ وصول میں دیر نہ ہوتی مگر ایک مقدمہ تمہاری نظر سے رہ گیا وہ یہ کہ جیسے ہم علیم وقادر ورحیم ہیں اسی طرح ہم حکیم بھی ہیں پس تم نے یہ تو دیکھ لیا کہ طلب ورحمت وقدرت کا مقتضاء تعجیل تھی یہ نہ دیکھا کہ حکمت کا مقتضاء تاخیر ہے، آگے تاخیر کی حکمت کا بیان ہے اور واللہ عجیب حکمت ہے فرماتے ہیں۔

لیک شیرینی ولذات مقر ہست براندازۂ رَنج سفر(۳)

وہ حکمت یہ ہے کہ قرار گاہ پر پہنچنے کی شیرینی اور لذت مشقت سفر کے موافق محسوس ہوا کرتی ہے جس کو سفر میں زیادہ تعب اور مشقت ہوتی ہے اس کو منزل پر پہنچنے کے بعد اتنی ہی لذت بھی آتی ہے اور جس کو بدون تعب (۴) کے وصول ہو گیا اسے منزل کی پوری قدر نہیں ہوتی۔

---

(۱) ''تمہاری طرف سے ہماری تلاش ہم کو تسلیم ہے اور اے عاشق ہم نے کل تیری آہ سرد بھی سن لی'' (۲) ''میں اس کی قدرت رکھتا ہوں کہ بے انتظار ہی تم کو قرب تمام عطا کروں تا کہ تم اس طوفان مجاہدات سے نجات پاؤ اور میرے قریب کے خزانہ کو پا جاؤ'' (۳) ''لیکن وصل کی شیرینی اور قرب منزل کی لذت سفر کے مشقتوں کے اعتبار سے محسوس ہوتی ہے'' (۴) بغیر تھکاوٹ اور محنت کے۔

زانکہ از فرزند خویشاں برخوری کزغریبے رنج و محنت ہابری (۱)

جو مسافر کئی سال بعد نے گھر پر آتا ہے بیوی بچوں سے مل کر اس کو زیادہ خوشی ہوتی ہے پس یہ حکمت ہے تاخیر فی الوصول میں تا کہ تم کو وصول کی پوری قدر ہو، اگر سستے ہی پہنچ جایا کرتے تو وصول کی بے قدری کرتے کیوں اس لیے کہ

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقُرصِ ناں دہد(۲)

اور جس شخص کو مشقت کے بعد وصول ہوگا تو اس کی عمر بھر یہ حالت رہے گی کہ

بردلِ سالک ہزاروں غم بود گر زباغِ دل خلالے کم بود(۳)

اس کو ذرا ذرا سی کوتاہی پہاڑ کے برابر گراں معلوم ہوگی اور جو آسانی سے پہنچ گیا ہے وہ اتنا پھونک پھونک کر قدم نہ رکھے گا کیونکہ عدم وصول کی بے چینی کا اندازہ ہی نہیں ہوا پس یہ جواب دیکھ کر میری تسلی ہوگئی جو بہت بڑی حکمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات میں جو اہل تصرف بھی ہوئے ہیں وہ تصرف سے کام نہیں لیتے تھے اور کسی کو ایک توجہ سے واصل نہیں بناتے تھے اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حضرات صاحب تصرف (۴) نہ تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بس یہ تو محض مُلّا ہیں نماز روزہ کر لیتے ہیں ان میں تصرف وغیرہ کچھ نہیں یہ بالکل غلط ہے بحمد اللہ ہمارے حضرات میں بڑے بڑے صاحب تصرف بھی ہوئے ہیں جن کو تصرف کی کامل قدرت حاصل تھی مگر وہ اس سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ طالبین ہی سے چکی پسواتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ یہ خود محنت کر کے واصل بنیں تا کہ وصول کی قدر ہو اور جو تصرف سے واصل ہوگا اس کو وصول کی قدر نہ ہوگی۔

---

(۱) ''جو مسافر کئی سال بعد اپنے بال بچوں میں آتا ہے اس کو گھر آ کر بہت لطف محسوس ہوتا ہے'' (۲) ''جو شخص کسی چیز کو مفت پا جاتا ہے اس کو مفت میں دے دیتا ہے جس طرح نادان بچہ موتی کو روٹی میں دے دیتا ہے'' (۳) ''سالک کے دل پر ہزاروں غم طاری ہوتے ہیں اگر ذرہ برابر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے'' (۴) دل پھیرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

بلا اذن تصرف

دوسرے بلا اذن (۱) تصرف کرنا کمالِ عبدیت کے بھی خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون صاحب تصرف ہوگا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تصرف کرتے تو سارے عالم کو ایک دم سے (۲) ولی بنا دیتے کسی کی مجال نہ تھی جو کفر کر سکتا (۳)۔ مگر آپ نے اس سے کام نہیں لیا۔ حضرت ابوطالب کے متعلق آپ کی خواہش بھی تھی کہ یہ ایمان لے آئیں مگر آپ نے قوتِ تصرف کو استعمال نہیں کیا۔ تو اللہ معاف کرے کہ ابوطالب کے نام کے ساتھ زبان سے حضرت ہی نکلتا ہے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے مگر چونکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی اور محبت بھی ایسی کہ جانثار تھے اور چچا بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے محبت تھی اس لیے زبان پر ان کے نام کے ساتھ بے ساختہ حضرت نکل جاتا ہے ابوجہل کے نام کے ساتھ کبھی نہیں نکلتا کیونکہ وہ آپ کا چچا تھا اگرچہ حقیقی نہ تھا مگر اس کے ساتھ ہی موذی (۴) بھی بہت تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے بہت ایذا دی ہے اس لیے اس کے نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہیں نکلتا، ایسے ہی ابولہب کے نام کے ساتھ بھی نہیں نکلتا گو وہ حقیقی چچا ہے مگر ایذا میں ابوجہل کے مثل تھا (۵)، بعض لوگ سورۂ تبت یدا کے پڑھنے سے

(۱) بلا اجازت (۲) سوال: هذا الكلام يرده ظاهر اقوله تعالى انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء فانه يكفى قدرة التصرف عنه صلى الله عليه وسلم۔ جواب: ليس فيه نفى ذلك ولو كان كذالكان حق العبادة انك لا تهدى من شئت ولكنه قال تهدى من احببت فعلم به انه ﷺ لم يرد هداية احد نهم احبها بعض والحب غير الارادة ولو اراد ذلك وصرف فيه همة لهدى الله الناس جميعا ۱۲ (جامع) ثم المشيةلم درجتان احدهما صرف القدره فقط وثانيها صرف الهمة مع ذلك والثابت بالآية لوثبت هو الاول فقط والمنفى فى كلامه هو التالى ۱۲ (اشرف) (۳) یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوت متصرفہ سے کام لیتے تو سب کو ایک دم درجہ ولایت پر فائز کر دیتے اس پر بظاہر اس آیت سے اشکال ہوتا ہے ''انک لا تہدی من احببت'' کہ آپ میں یہ قوت متصرفہ نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ اس میں تصرف کی قوت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس بات کی نفی ہے کہ آپ کو جس کا مسلمان ہونا پسند ہو اس کو مسلمان نہیں بنا سکتے اور پسندیدگی میں ارادے کو دخل نہیں اگر آپ ارادہ کرتے تو سب لوگ ہدایت پا جاتے (ملخصا عبارت علامہ ظفر احمد عثمانی) (۴) آپ کو بہت تکلیف دیتا تھا (۵) وہ بھی ابوجہل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچاتا تھا۔

کراہت کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ کے چچا کی مذمت ہے(۱) اس کے پڑھنے سے آپ کو ایذا ہوتی ہوگی اوراس کے متعلق ایک خواب بھی مشہور ہے۔ مگر جو خواب دلائل شرعیہ کے خلاف ہو وہ حجت نہیں ہوا کرتا، بھلا حضور ﷺ کو کلامِ الٰہی کے پڑھنے سے کبھی ایذا ہوسکتی ہے ہرگز نہیں۔ یہ مانا کہ وہ آپ کا چچا تھا مگر ادھر یہ بھی تو دیکھو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ حضور کو کیسا علاقہ تھا پھر محبوب اگر اپنے کسی عزیز سے بغض رکھے تو کیا عاشق کو اس سے بغض نہ ہوگا ضرور ہوگا اور محبوب اگر اس عزیز کی مذمت کرے تو کیا عاشق کو اس سے ایذا ہوگی کبھی نہیں ہوگی بلکہ لذت آئے گی (ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی خاص سورت کی تعیین کرلینا مناسب نہیں کہ اس میں سورہ تبت اوراس کے غیر سب برابر ہیں۔ ممکن ہے کسی نے اس سورت کو قرأت کے لیے ورد بنالیا ہو، اس پر حضور ﷺ نے بشرطیکہ خواب کا قصہ صحیح ہولطیف عنوان سے خواب میں متنبہ فرمایا ہو ممکن ہے کہ اس شخص میں ادب کم ہو آپ نے بطور معالجہ کے اس کے لیے یہ تجویز فرمایا ہو ۱۲ جامع) بہرحال اگر آپ تصرف سے کام لیتے تو کم از کم اپنے عزیزوں پر تو ضرور اثر ڈال دیتے مگر حضور نے ایسا نہیں کیا۔ اسی سنت کا اتباع ہمارے حضرات کرتے ہیں وہ بھی تصرف سے کام نہیں لیتے اور اگر کبھی کسی متوسطہ (۲) نے ایسا کیا بھی تو اکابر نے اس کو مٹادیا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کسی بادشاہ سے گفتگو کررہے تھے ساتھ میں حضرت شبلی بھی تھے، اثناءِ گفتگو میں بادشاہ نے حضرت جنید کو کوئی سخت کلمہ کہا وہ تحمل سے کم لیتے رہے۔ مگر حضرت شبلی سے نہ رہا گیا وہاں کوئی قالین بچھا ہوا تھا، جس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی، حضرت شبلی نے اس تصویر پر توجہ کا اثر ڈالا تو وہ سچ مچ کا شیر بن گیا، حضرت جنید نے دیکھ لیا انہوں نے فوراً اس پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ پھر مٹ گیا اور تصویر کی تصویر رہ گئی، بادشاہ نے پھر کسی بات پر کوئی سخت کلمہ کہا حضرت شبلی نے پھر توجہ کی جس سے دوبارہ وہ تصویر سچ مچ شیر کی صورت بن گئی، حضرت جنید نے پھر

(۱) برائی بیان کی گئی ہے (۲) کسی درمیانے درجہ کی قوت متصرفہ حاصل ہونے والے نے ایسا تصرف کیا بھی ہو تو بزرگوں نے اس کو مٹادیا۔

ہاتھ رکھ کر اس کو مٹا دیا کئی بار ایسا ہوا حتی کہ ایک دفعہ بادشاہ کی نظر بھی شیر پر پڑ گئی، تو اس کا رنگ فق ہو گیا اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو حضرت جنیدؒ نے تسلی کی کہ آپ نہ گھبرائیں اس کی مجال نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے آپ کو کچھ بھی کہہ سکے، آپ ہمارے بادشاہ ہیں آپ کو حق ہے کہ ہمیں جو چاہیں کہیں میں کبھی آپ کے مقابلہ میں تصرف نہ کروں گا، یہ شبلی بچہ تھا اس سے تحمل نہ ہوا اس نے تصرف سے کام لے لیا، مگر میں اپنے سامنے اس کے کسی تصرف کو آپ پر چلنے نہ دوں گا، بالکل بے فکر رہیں، حضرت جنیدؒ نے تو اس کو بے فکر کر دیا مگر اس کو ان حضرات کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو کتنی قوت عطا کی ہے بس اس کے بعد سنبھل سنبھل کر باتیں کرنے لگا، پھر کوئی گستاخی نہیں کی سو ہمارے اکابر تو ایسے ہوئے ہیں کہ خود تو تصرف نہ کیا کرتے اگر کسی چھوٹے نے کیا بھی تو اس کو مٹا دیا غرض وہ تصرف اس لیے نہیں کرتے کہ اوّل تو اس میں سالک کو نعمت کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ قدر تو بعد مشقت ہی کے ہوتی ہے، دوسرے پھر وہ ہمت توڑ دیتا ہے پس توجہ ہی کے سہارے پر چلتا ہے۔

توجہ اور تصرف

تیسرے یہ طریقہ خلاف سنت بھی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کبھی تصرف سے کام نہ لیتے تھے (اس مقام پر پہنچ کر حضرت مولانا کو ماقبل کا ربط یاد نہ رہا تو جامع وعظ سے دریافت فرمایا تو اس نے اطلاع کی کہ یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ خدا تعالیٰ کا مواخذہ بھی رحمت ہے، خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اس پر فرمایا کہ ۱۲ جامع) میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر کبھی گرفت ہو جانا بھی رحمت ہے، جیسے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ساتھ معاملہ پیش آیا، جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اسی پر یہ مضمون چل پڑا تھا کہ وصول میں تاخیر ہونا بھی رحمت ہے اس میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں اور اسی حکمت کے ضمن میں اپنے اکابر کے تصرف نہ کرنے کی وجہ بھی بتلا دی تھی اب میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس غریب

کا ہدیہ جو دھیلہ کی کوڑیاں تھیں (۱) واپس کر دیا تو اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کہ اسی دن سے تمام فتوحات بند ہو گئیں اور فاقہ پر فاقہ گزرنے لگا اول تو انہوں نے اس کو حکمت خاص پر محمول کیا کہ شاید رفع درجات کے لیے یہ معاملہ ہو رہا ہے مگر پھر تنبہ ہوا کہ نہیں یہ تو عتاب ہے عارف کو خدا تعالیٰ نے ایک نور دیا ہے وہ اس سے سمجھ لیتا ہے کہ کون سی مصیبت رفع درجات کے لیے آئی ہے اور کون سی عتاب کی وجہ سے آئی ہے (جس کی ایک علامت یہ ہے کہ جس مصیبت کا منشاء عتاب ہوتا ہے اس سے بے چینی اور پریشانی بڑھتی ہے) غرض آثار سے وہ سمجھ گئے کہ یہ فتوحات کی بندش کسی عتاب کی وجہ سے ہے پھر سوچنے سے خیال آیا کہ فلاں دن اس غریب کی کوڑیاں واپس کر دی تھیں شاید یہ بات ناپسند ہوئی ہے، بس اسی وقت گھبرا کر بلایا اور خود سوال کیا کہ بھائی وہ دھیلہ کی کوڑیاں ہمیں دے دو، آہ تو دینے سے بھی نہ لیا تھا، یا خود اس سے مانگ رہے ہیں۔

ایں چنیں شیخے، گدائے کو بکو عشق آمد لا اُبالی فاتقوا (۲)

واقعی یہ عشق بھی بہت ناچ نچاتا ہے، وہ بے چارہ یہ سن کر باغ باغ ہو گیا اور کہا مولانا واقعی مجھے آپ کے انکار سے بہت کلفت ہوئی تھی اور میں نے اب تک وہ کوڑیاں خرچ نہیں کیں دل نے گوارا ہی نہیں کیا کہ ان کو خرچ کروں اب تک ویسی ہی رکھی ہیں آپ نے کہا بس جلدی لے آؤ، اب میں اس کلفت کا تحمل نہیں کر سکتا جو تم کو ایذا دینے سے مجھے پہنچ رہی ہے چنانچہ اس نے وہ کوڑیاں دیں اور آپ نے خوش خوش لے لیں بس اُسی دن سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

عارف کی شان

صاحبو! عارفین کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ دھیلہ کی کوڑیوں سے بھی مستغنی نہیں ہیں اور اگر کبھی ذرا بھی کسی ادنیٰ نعمت سے استغناء کا وسوسہ پیدا ہو جائے تو پھر خود مانگتے

(۱) ایک روپے میں سولہ آنے اور ایک آنے میں دو دھیلے اور ایک دھیلے میں بہت سی کوڑیاں آجاتی تھیں یہ اس زمانے کا سب سے چھوٹا سکہ تھا۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے (۲) ''ایسا شیخ کامل گدا بن کر گلی گلی پھر رہا ہے، عشق لا ابالی ہوتا ہے، اس سے ڈرتے رہو''۔

ہیں پھر ان کو دعا میں ثواب یا جنت سے استغناء کیونکر ہوسکتا ہے اس لیے یہ جو مولانا نے فرمایا ہے کہ

ازدعا نہ بود مراد عاشقاں جز سخن گفتن بہ آں شیریں دہاں(۱)

اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کو لذت خطاب کے سوا جنت یا ثواب کی طلب اور پرواہ نہیں ہرگز نہیں پرواتو ان کو ہر چیز کی ہے ہاں غلبہ لذت وخطاب میں بعض دفعہ ثواب وغیرہ کی طرف التفات نہیں ہوتا جیسا کہ میں نے نماز کی مثال سے اس کو واضح کردیا تھا اور یہ مضمون دعا کا اس پر چلا تھا کہ عاشق محبوب کے روز روز آنے اور دیر تک بات چیت کرنے سے نہیں گھبرایا کرتا بلکہ وہ تو اس کا موقع ڈھونڈا کرتا ہے کہ کسی طرح اور دیر تک باتیں ہوں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب میں اسی لیے اطناب(۲) سے کام لیا تھا کہ اس پر درمیان میں ان سالکین کی غلطی ظاہر کردی تھی جو دعا کو ترک کردیتے ہیں اور بتلادیا تھا کہ گو حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور تمہارے بتلانے اور مانگنے کی ضرورت نہیں مگر محبت کا مقتضا یہ ہے کہ جب محبوب بولنے کی اجازت دے تو بات چیت کے موقع کو غنیمت سمجھے اور خوب عرض ونیاز کرے اور جو چاہے مانگے (یعنی حدود میں رَہ کر ۱۲ جامع) غرض عاشق کبھی محبوب کے روز روز آنے سے نہیں گھبرایا کرتا جیسا کہ ہم روز روز دو وقت روٹی کھانے سے نہیں گھبراتے تو حیرت ہے کہ ہم لوگ روٹی سے تو مستغنی نہیں ہیں مگر ذکر سے مستغنی ہیں۔

ذکر کی اہمیت

یہاں تک کہ بعض اہل علم بھی خط لکھتے ہیں کہ اَوراد سے جی گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا جس کا تذکرہ ابھی کیا تھا افسوس ان لوگوں نے دنیا کے کاموں کو کبھی جنم روگ نہ سمجھا دیکھئے جو لوگ کسی کام پر ملازم ہیں وہ روزانہ اسی کام پر لگتے ہیں کوئی روز آٹے کی مشین چلاتا ہے کوئی روز تعمیر کے کام پر جاتا ہے آخر اس کو جنم روگ کیوں نہیں سمجھا گیا بس یوں چاہئے کہ ہر دن نیا کام کیا جائے ایک ہی کام روز روز کیوں کیا جاتا ہے اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ ان کاموں کو تو مفید اور ضروری سمجھتے ہیں اس لیے

(۱) ”دعا سے عاشقان حق کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ سے اسی بہانے ہم کلامی کی لذت نصیب ہوجاتی ہے“ (۲) تفصیل اور کلام کی طوالت سے کام لیا تھا۔

عمر بھر روزانہ کرنے سے بھی نہیں گھبراتے اور ذکر کو مفید اور ضروری نہیں سمجھتے اس لیے وہ جنم روگ معلوم ہوتا ہے حضرت یہ ہماری بدقسمتی ہے ورنہ ذکر ایسی چیز ہے کہ مسلمان کو تو اس سے کبھی غفلت نہ ہونا چاہئے تھی، غالباً حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کا ارشاد ہے کہ مجھے بہت زمانہ کے بعد معلوم ہوا کہ عالم میں اہلِ غفلت بھی ہیں ورنہ ابتداء سے میں یہ سمجھتا تھا کہ سب لوگ ذاکر ہیں، اللہ سے غافل کوئی نہیں، خواجہ صاحب بچپن ہی سے صاحب نسبت تھے مادر زاد ولی تھے ان پر کبھی غفلت گزری ہی نہیں اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ سب ایسے ہی ہوتے ہوں گے بعد میں معلوم ہوا دنیا میں اہلِ غفلت بھی ہیں اس نمونہ کے ایک بزرگ اس زمانہ میں بھی ہوئے ہیں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد صاحب مادر زاد ولی تھے، ایک دفعہ کوئی گوجران کی بھینس چرالے گیا، حضرت نے تلاش کیا تو لوگوں نے اسی پر شبہ ظاہر کیا حضرت فلاں شخص لے گیا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی ہماری بھینس اگر لی ہو تو دے دو اس نے قسم کھالی کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس نہیں لی کسی نے جھوٹ موٹ میرا نام لے دیا ہے۔ آپ کو یقین آ گیا اور لوگوں سے کہا کہ اس نے نہیں لی وہ تو قسم کھاتا ہے یہاں تو وہ قسم کھا کر بَری ہوگیا، مگر خدا تعالیٰ سے کیونکر چھوٹتا، غیب سے اس پر افتاد پڑی اور نقصان پر نقصان اموات پر اموات ہونے لگیں سمجھ گیا کہ یہ حضرت کے سامنے جھوٹی قسم کھانے اور ان کو تکلیف پہنچانے کا وبال ہے آخر جھک مار کر آیا اور اقرار کیا کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس چرائی تھی میری خطا معاف کر دیجئے، فرمایا کہ تو نے قسم کھا کر کہا تھا میں نے نہیں لی، کہا میں نے جھوٹی قسم کھالی تھی، یہ سن کر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا اللہ کسوں (یعنی اللہ قسم یہ پرانا محاورہ تھا) مجھے تو آج خبر ہوئی کہ مسلمان جھوٹی قسم بھی کھاسکتا ہے، پہلے بزرگوں کے محاورات سیدھے سادے ہوتے تھے، اللہ کی قسم کی جگہ اللہ کسوں کہتے تھے تو بعض مادر زاد ولی اور صاحب استغراق آج کل بھی ہوتے ہیں بہر حال ذکر ایسی ہی چیز ہے کہ ہر مسلمان کو لازم ہونا چاہئے مگر بدقسمتی سے آج کل لازم نہیں رہا اس کی بھی ایک خاص جماعت رہ گئی ہے سو اس مضمون کا تعلق ان ہی اہلِ ذکر سے ہے، اس لیے اس کی

ایک خاص مجلس منعقد کی گئی ورنہ حقیقت میں یہ مضمون سب مسلمانوں کے لیے عام تھا۔

رضاء الٰہی کی ضرورت

اب اس کو سُن لیجئے وہ مضمون یہ ہے کہ اللہ وتعالیٰ کے تمام افعال میں رضا چاہئے اور اپنی تجویز کو ان میں دخل نہ دینا چاہئے، گو یہ بات سب کو معلوم ہے اور اعتقاداً سب ذاکرین اس کو مانے ہوئے ہیں مگر حالاً کبھی اس میں کوتاہی ہوجاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اُلوانِ (۱) محبت مختلف ہیں کسی میں التہاب ہے اور کسی میں خمود ہے یعنی بعض میں طلب کا لون کیفیت عشقیہ وشوقیہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے التہاب اور اضطراب یعنی سوزش وشورش اور بعض میں انس کے ساتھ ہوتا ہے جس کا خاصہ ہے خمود اور برودت تو کبھی صاحب خمود اپنے کو التہاب واحتراق (۲) سے خالی دیکھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں محبت سے محروم ہوں کیونکہ وہ محبت کو لون التہاب (۳) کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے پھر عجلت کی وجہ سے اپنے لیے التہاب (۴) کو تجویز کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ کسی طرح میرے اندر بھی التہاب پیدا ہو اور جب کسی حکمت سے حق تعالیٰ اس میں یہ کیفیت پیدا نہیں کرتے تو یہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھ کر مغموم (۵) رہتا ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے اس نے یہ نہیں سمجھا کہ محبت کا ایک لون بردخمود (۶) بھی ہے پس یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں محبت سے محروم ہوں ہرگز محروم نہیں ہو محبت سے تم بھی حصہ لئے ہوئے ہو، مگر اس کا رنگ دوسرا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ محبت سے اپنے کو خالی سمجھنے والا کیا کبھی ایک دن کی نماز بھی ترک کرسکتا ہے اگر کوئی اس کو ہزاروں روپیہ دے اور یہ کہے کہ آج نماز نہ پڑھو تو کیا یہ اس کو گوارا کرسکتا ہے ہرگز نہیں کوئی مسلمان اس کو گوارا نہ کرے گا ہاں شرط یہ ہے کہ صاحب طلب ہو طالب دنیا نہ ہو ورنہ وہ تو ایک پیسہ میں بھی نماز کو بیچ دے گا، ہزاروں کا تو کیا ذکر چنانچہ آج کل بہت مسلمان دین فروشی (۷) کررہے ہیں اور بعض اہل علم بھی اس گناہ میں مبتلا ہیں اتنا

(۱) محبت کے رنگ (۲) جوش وجذبہ (۳) محبت میں جوش وجذبہ کو لازمی سمجھتا ہے (۴) جزبہ جنوں (۵) غم زدہ (۶) محبت کا ایک رنگ سکون بھی (۷) دین بیچتے پھر رہے ہیں۔

فرق ہے کہ عوام کی دین فروشی تو بصورت دنیا ہوتی ہے وہ گناہ کو گناہ کی شکل میں کرتے ہیں اور اپنے کو گنہگار بھی سمجھتے ہیں اور مولوی صاحب کی دین فروشی بصورت دین ہوتی ہے وہ گناہ کو طاعت بنا کر کرتے ہیں غلط فتوے دیں گے اور ٹھونس ٹھانس کسی کلیہ کے تحت میں داخل کر دیں گے ان سے تو وہ عوام ہی اچھے جو گناہ کر کے ڈرتے اور اپنے کو بُرا سمجھتے ہیں اور یہ مولوی صاحب تو طالب بنا کر ڈرتے بھی نہیں کیونکہ اپنے نزدیک وہ گناہ کو شریعت کے موافق بنا چکے ہیں شاید اس پر کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ تم نے عوام کی دین فروشی کو علماء کی دین فروشی سے اچھا کیونکر کہہ دیا اور ان کو صاحب خشیت اور مولویوں کو خشیت (۱) سے خالی کیونکر بنا دیا، حالانکہ نص سے معلوم ہوتا ہے کہ خشیت تو علماء ہی میں ہوتی ہے جہلاء میں نہیں ہوتی۔

علم اور خشیت

چنانچہ حق تعالیٰ اس کی تصریح (۲) فرماتے ہیں اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳) اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم خشیت کے لیے شرط ہے علت نہیں ہے اس کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ علم کو علت خشیت سمجھتے ہیں اس لیے اس پر یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ کوئی عالم خشیت سے خالی نہ ہو اور کسی مولوی سے گناہ کا صدور نہ ہو حالانکہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے، یہ اشکال پہلے مجھے بھی ہوتا تھا پھر خود بخود قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اس کا حصر کا مفہوم تو یہ ہے کہ ''لا یخشی اللّٰہ من عبادہ الا العلماء'' (۴) جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ '' لا خشیۃ الا بالعلم'' (۵) نہ کہ ''لا علم الا بالخشیۃ'' (۶) پس یہ حصر ایسا ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ الا بطھور کہ نماز بدون وضو کے نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا جہاں وجود ہوگا وضو کے ساتھ ہوگا، بدون وضو کے نہ ہوگا، یہ تو مطلب نہیں کہ جب وضو کا وجود

(۱) ان کو خدا سے ڈرنے والا اور مولویوں کو بے خوف کیسے کہا (۲) صراحتاً بیان کرتے ہیں (۳) ''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں'' سورہ فاطر: ۲۸ (۴) اللہ سے سوائے علماء کے کوئی نہیں ڈرتا (۵) خشیت بغیر علم کے نہیں ہوتی (۶) یہ مطلب نہیں کہ علم بغیر خشیت کے نہیں ہوتا۔

ہوتو اس کے ساتھ نماز کا وجود بھی لازم ہو اسی طرح یہاں پر علم شرط خشیت ہے کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے گو وہ مولوی بھی نہ ہو کیونکہ جاہل بھی خدا سے ڈرتا ہے تو اسے کم از کم عذاب ہی کا علم ہے تو خشیت بدونِ علم کے اس کو بھی نہیں ہوتی باقی یہ ضروری نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت لازم ہو کیونکہ علم اس کی علت نہیں۔ اور علت کا وجود تو معلول(۱) کے وجود سے مستلزم ہوتا ہے مگر شرط کا وجود مشروط کے وجود کو مستلزم نہیں(۲) ہوتا ہاں انتفاء شرط انتفاء مشروط کو بے شک مستلزم(۳) ہوتا ہے سو ایسی نظیر کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کہیں خشیت کا وجود بدون علم کے ہو گیا(۴) ہو تو علم لوازم خشیت(۵) سے ہوا نہ کہ خشیت لوازم علم سے۔

بہر حال اس آیت کی تفسیر میں بہت لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لیے میں نے متنبہ کر دیا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ علوم معقولہ(۶) سے فہم قرآن میں بہت سہولت ہوجاتی ہے چنانچہ شرط اور علت کا نام سنتے ہی طلبہ فوراً سمجھ گئے ہوں گے کہ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے یہ کام کی بات تھی اس لیے درمیان میں بیان کر دی گئی، غرض جو لوگ طالب دنیا ہوں ان کا تو ذکر نہیں مگر طالب حق جو صاحب خمود ہی ہو ہرگز کسی طمع کی وجہ سے نماز کو قضا نہیں کر سکتا، پس اس کا اپنے کو محبت سے خالی سمجھنا غلط ہے اگر محبت سے محروم ہوتا تو نماز سے اتنی محبت نہ ہوتی اور طالب ہو کر بھلا محروم کیونکر ہو سکتا ہے۔

طالب کی محرومی

میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ طالب کبھی محروم نہیں ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا(۷) یعنی جو میری طرف ایک بالش بھر قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس سے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے میں ایک باع یعنی دونوں کھلے ہوئے ہاتھوں

(۱) علت کے موجود ہونے پر معلول کا وجود ضروری ہے (۲) شرط کے وجود پر مشروط کا وجود ضروری نہیں (۳) یہ بات ضرور ہے کہ اگر شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا (۴) بغیر علم خدا کا خوف پایا جائے ایسا نہیں (۵) علم خشیت کے لیے لازم ہے خشیت علم کے لیے لازم نہیں (۶) عقلی علوم منطق فلسفہ وغیرہ (۷) مسند احمد: ۲/ ۴۱۳، الترغیب والترہیب: ۴/ ۱۰۴، کنز العمال: ۱۱۷۹۔

کی مقدار اس سے قریب ہوتا ہوں اور یہاں چونکہ طلب موجود ہے تو قصد قرب بھی موجود ہے اور اس پر وعدہ ہے عطاء تقرب کا تو محرومی نہیں ہوسکتی بلکہ یقیناً یہ شخص مقرب ہے گو اس کا تقرب بصورت تنزل ہی ہو اور گو اس کے زعم میں خلود اور محرومی ہو کیونکہ عروج قرب حق کی یہ بھی ایک قسم ہے کہ تنزل کی صورت میں ہو مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا(۲)

قرب از پستی ببالا رفتن است قرب حق از قید ہستی رستن است(۳)

مولانا نے حدیث لاتفضلونی علی یونس بن متی(۴) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس کے عموم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو کیونکہ جس طرح قرب حق کی ایک صورت پستی سے بلندی کی طرف جانا ہے اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے کہ بلندی سے پستی کی طرف جائے قربِ حق صورت عروج ہی میں منحصر نہیں بلکہ کبھی بصورت نزول بھی ہوتا ہے اگر قرب ہمیشہ بصورت عروج ہی ہوا کرتا تو حق تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب نہ فرماتے بلکہ وَاسْجُدْ وابتعد فرماتے کیونکہ سجدہ میں تو بلندی کی طرف نہیں جاتا بلکہ بندہ پستی کی طرف جاتا ہے اگر یہ بعد ہوتا تو حق تعالیٰ اس پر وَاقْتَرِبْ کو کبھی مرتب نہ فرماتے حالانکہ نص میں صراحتاً سجدہ کو سبب قرب فرمایا گیا ہے معلوم ہوا کہ قرب بصورت نزول بھی ہوتا ہے پس تم یہی سمجھو کہ تم کو اسی صورت سے قرب عطا ہوا ہے، صاحب اگر تم خدا سے دور ہوتے تو وہ طاعات وذکر کی تم کو کبھی توفیق نہ دیتے اور یہ طلب تمہارے اندر پیدا نہ کرتے، یہ مضمون حضرت حاجی صاحب نے بیان فرمایا تھا واقعی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے شبہات کے حل کرنے کے امام تھے، چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ جو شخص حج کرکے یہ وسوسہ رکھے کہ نہ معلوم میرا حج قبول ہوا یا نہیں وہ بڑا بدگمان ہے اگر حق تعالیٰ کو قبول

(۱)''حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری معراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح مت دو'' (۲)''قرب حق بلند اور پستی پر جانا نہیں ہے قرب حق قید ہستی سے خلاصی پانا ہے'' (۳) اتحاف السادۃ المتقین :۲/۱۰۵ (۴) قرب حاصل کرے گا۔

حج منظور نہ ہوتا تو وہ تم کو اپنے دَربار تک آنے بھی دیتے ؟ دُور ہی سے دھکے دے دیتے جیسا کہ ہزاروں کو باوجود وسعت ودولت کے حاضری کی توفیق نہیں دی جب حق تعالیٰ نے تم کو اپنے گھر تک بلالیا تو اُمید قوی رکھو کہ ان شاء اللہ حج قبول ہے۔

ذکر کا نفع

حدیث میں ہے انا عند ظن عبدی بی (۱) اس قاعدہ سے اُمید ہے کہ اگر تمہارا حج قابل قبول بھی نہ ہو تو اس گمان نیک کی برکت سے قبول ہوجاوے گا اسی طرح ایک دفعہ ذاکر نے عرض کیا کہ حضرت میں چوبیس ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کرتا ہوں مگر کچھ نفع معلوم نہیں ہوتا، فرمایا یہ کیا تھوڑا نفع ہے تم کو اس قدر ذکر کی توفیق دی سبحان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حل ہوگا، غرض جو شخص طلب میں مشغول ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں صرف طالب ہی ہوں اور اسی طلب سے کام کررہا ہوں بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہے صاحب حق تعالیٰ ہی کی محبت سے آپ کام کرتے ہیں اگر ان کو محبت نہ ہوتی تو آپ کی کیا مجال تھی جو طلب میں مشغول ہوتے اور ذکر وطاعات بجالاتے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تابجو شد آبت از بالاؤ پست (۲)

یعنی پانی کی تلاش کم کرو اور اپنے اندر تشنگی (۱) پیدا کرو جہاں تشنگی ہوگی وہاں پانی خود بخود پہنچ جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ جس طرح پیاسے پانی کے طالب ہیں اسی طرح پانی بھی ان کا طالب ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں (۳)

(۱) ''میں بندہ کے گمان کے زیادہ قریب ہوں'' مسند أحمد: ۲/ ۳۱۵، الترغیب والترہیب: ۲/ ۲۹۳، اتحاف السادۃ المتقین: ۵/ ۵ (۲) ''پانی مت تلاش کرو، پہلے اپنے اندر پیاس پیدا کرو، پیاس کی برکت سے پانی تمہارے اندر بہت جوش مارے گا'' (۱) پیاس (۳) ''پیاسے لوگ اگر جہان سے پانی تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ ہر محب محبوب بھی ہوتا ہے اور ہر طالب مطلوب بھی ہوتا ہے تم تنہا اپنے ہی کو طالب نہ سمجھو بلکہ تمہارا بھی کوئی طالب ہے اور اسی کی طلب کے اثر سے تمہارے اندر طلب پیدا ہوئی ہے فرماتے ہیں۔

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں کیں بہ نسبت ہست ہم این وہم آں(۱)

پس اتنا فرق ہے کہ تمہارا عشق تو ایسا ہے کہ تم نے دنیا میں غل مچادیا ڈھول پیٹ دیئے کہ ہائے ہم مرے ہائے ہم چلے تم نے تو ایک شور برپا کردیا اور معشوق کا عشق مخفی ہے وہ ڈھول نہیں پیٹتے فرماتے ہیں۔

عشق معشوقاں نہاں است وستیر عشق عاشق بادو صد طبل ونفیر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش وفربہ کند(۲)

تمہارے عشق کی شان تو یہ ہے کہ اس سے چہرہ زرد ہوگیا لبوں پر خشکی آگئی، اضطراب اور بے چینی بڑھ گئی اور عشق محبوب کی شان عدم تغیر وعدم(۳) تاثر ہے پس فربہ کند کہنا مجاز ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں تاثر اور تغیر نہیں ہے جیسا عاشق کو کیفیت عشق سے تاثر وتغیر ہوتا ہے جیسے گریہ وآہ وزاری وزردی رنگ ورُخ(۴) وغیرہ اور چونکہ عدم تاثر وعدم تغیر کے لیے عادۃً مخلوق میں فربہی لازم ہے(۵) تو مولانا نے بطورِ کنایہ کے لازم بول کر ملزوم کا قصد کرلیا اور یہ کوئی جرم نہیں قرآن وحدیث میں ایسے محاورات کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں حق تعالیٰ بندہ سے فرمائیں گے مرضت فلم تعدنی واستطعمك فلم تطعمنی کہ میں بیمار ہوا تو میری عیادت کو نہ آیا میں نے کھانا مانگا تو نے دیا نہیں مومن عرض کرے گا ''یارب کیف اعودك وکیف اطعمك وانت رب العالمین'' کہ الٰہی میں آپ کی عیادت کیسے کرتا

(۱) ''جس کو عاشق دیکھو سمجھو کہ یہ محبوب بھی ہے اگر مطلوب اور محبوب نہ ہوتا تو اس کو طلب ہی نہ ہوتی''
(۲) ''معشوقوں کا عشق پوشیدہ ہوتا ہے اور عاشقوں کا عشق ڈھول کی طرح ظاہر ہوتا ہے لیکن عاشقوں کا عشق ان کو ظاہر کرتا ہے اور معشوق کا عشق ان کو فربہ کرتا ہے'' (۳) محبوب کے عشق کی یہ شان ہے کہ اس میں کوئی تغیر نہیں (۴) وائے ویلا مچانا چہرے کا رنگ زرد پڑھانا (۵) عموماً جو آدمی بے فکرا ہوتا ہے موٹا ہو ہی جاتا ہے۔

اور آپ کو کھانا کیسے کھلاتا آپ تو رب العالمین ہیں اور ان تغیرات سے منزہ ہیں ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور اس نے تجھ سے کھانا مانگا سو تو نے اس کی عیادت نہ کی نہ اُسے کھانا دیا اور اگر تو اس کو پوچھنے جاتا اور اس کی خدمت کرتا لو جدتنی عندہ تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا، بتلایئے یہ مجاز کا استعمال ہے یا نہیں ورنہ کیا حق تعالیٰ پر مرض کا حقیقی اطلاق صحیح ہوسکتا ہے ہرگز نہیں (علی ہٰذا قرآن میں حق تعالیٰ کے رؤف ورحیم اور غضب وغیرہ کا جو استعمال ہے کیا اس کو حقیقت پر حمل کیا جاسکتا ہے کبھی نہیں علماء نے خود تصریح کی ہے کہ ان صفات کا حمل حق تعالیٰ پر غایات کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ مبادی کے اعتبار سے ۱۲) پھر صوفیہ ہی نے اگر مجاز کا استعمال کرلیا تو کیا قصور ہوگیا ان علماء خشک سے خدا بچائے کہ خواہ مخواہ صوفیہ پر دَھڑا دَھڑ کفر کے فتوے لگانے لگے حالانکہ اس سے بڑھ بڑھ کر نصوص میں الفاظ موجود ہیں اور رات دن یہ خود اس میں تاویلیں کرتے ہیں پھر صوفیہ کے کلام میں تاویل کرلینے اور کنایہ ومجاز پر حمل کرنے سے ان کو کیا چیز مانع ہوئی یہ ضرور ہے کہ بعض صوفیہ سے دین کا ضرر بھی ہوا ہے مگر غیر محققین سے باقی محققین سے کبھی ضرر نہیں ہوا محقق ایک جگہ اگر مجاز کا استعمال کرتا ہے تو دوسری جگہ اس کی حقیقت کو واضح کردیتا ہے چنانچہ یہاں تو مولانا نے عشق الٰہی کی ایک مثال بیان کردی اور دوسری جگہ ان تمثیلات سے برأت ظاہر کی ہے فرماتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من تمثیل من (۱)

اس کے بعد تمثیل کا عذر بیان کرتے ہیں کہ جب یہ تمام تمثیلات ناقص ہیں تو پھر ان کو بیان کس لیے کیا جاتا ہے۔ تو فرماتے ہیں۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہردمت گوید کہ جانم مفرشت (۲)

---

(۱) ''اے وہ ذات کہ ہمارے وہم اور قیل وقال سے برتر ہے ہمارے تمثیلات پر خاک ہو اور ہمارے سروں پر یعنی جو مثال ذات ہے اس کی مثال سے ممکن ہوگا'' (۲) ''لیکن بندہ کو بغیر تصور صبر نہیں آتا اور تصور بغیر مثال ممکن نہیں پس ہر وقت اپنی جان کو پیش کرتا رہتا ہے۔

خدا کا تصور

یعنی بندہ کو بدون آپ کے تصور کے صبر نہیں آتا اور تصور بدون مثال کے ہو نہیں سکتا کیونکہ غائب کا تصور کسی نہ کسی صورت ہی سے ہوگا مگر وہ صورت عین حق نہ ہوگی بلکہ محض مثال ہوگی آخر نماز میں جو تم حق تعالیٰ کا تصور کرتے ہو تو کیا یہ ذات کا تصور ہے ہرگز نہیں بلکہ مثال کا تصور ہے ورنہ وہ تو وراءالوراءثم وراءالوراء(۱) ہے جو بھی مثال خدا کی ہمارے ذہن میں آتی ہے حق تعالیٰ سب سے پاک ہیں اسی لیے صوفیا یوماً فیوماً ترقی کی وجہ(۲) روزانہ تصور سابق سے توبہ واستغفار(۳) کرتے جاتے ہیں کیونکہ ترقی کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مثال سابق ناقص تھی اسی کو ایک آزاد صوفی نے اس عنوان سے بیان کیا ہے جو ظاہر میں بہت وحشت ناک ہے، واقعی بعضوں کا جی ہی چاہتا ہے کہ ان پر فتویٰ لگے مگر وہ محض عنوان ہی کے درجہ میں وحشت ناک ہے، مطلب وحشتناک نہیں وہ کہتے ہیں۔

بیزارم ازاں کہنہ خدائی کہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست(۱)

ظاہر میں تو شرک معلوم ہوتا ہے کہ میرا ہر دن نیا خدا ہے اور تمہارے پرانے خدا سے میں بے زار ہوں مگر مطلب یہ ہے کہ تم کو چونکہ ترقی نہیں ہوئی اس لیے ساری عمر ایک ہی مثال سے حق تعالیٰ کا تصور کرتے رہتے ہو اور مجھ کو روزانہ ترقی ہے اس لیے مجھے ہر دن نئی مثال سے تصور ہوتا ہے غرض مجاز کا استعمال جس طرح قرآن وحدیث میں ہے یونہی صوفیہ کے کلام میں بھی ہے اس سے متوحش ہونا دلیل ناواقفیت ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اپنے کو صرف طالب ہی نہ سمجھو بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی تم سے محبت ضرور ہے اور اسی محبت کا یہ اثر ہے کہ تم کو طلب دے دی پھر اپنے کو محروم کیوں سمجھتے ہو پس میں نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد سے مولانا رومی کے اقوال سے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''من تقرب الی ذراعًا تقربت الیہ باعاً'' سے بلکہ یوں کہو کہ حق تعالیٰ سے کیونکہ

(۱) اس کی ذات انسان کی سوچ سے بھی بالا ہے (۲) صوفیاء کے درجات کیونکہ ہر روز بلند ہوتے رہتے ہیں (۳) سابقہ تصور سے توبہ استغفار کرتے ہیں (۱) ''تیرے تصور میں ہم ایسے جمود سے بے زار ہیں ہمارے تصور میں تو ہر روز ترقی ہے اور ہر روز ترقی باطنی کے سبب نئی شان کا مشاہدہ کرسکتا ہے''

یہ حدیث قدسی ہے جو حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے قرآن میں اور حدیث قدسی میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ قرآن متلو ہے اور یہ متلو نہیں ہے(۱) یہ ثابت کر دیا ہے کہ طالب کبھی محروم نہیں ہوتا تو حیرت ہے کہ یہ شخص باوجودیکہ اس میں آثار محبت موجود ہیں (یعنی طلب اور قصد ۱۲) پھر اپنے کو محبت سے خالی سمجھتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو شراب پلائی گئی ہو مگر زیادہ تیز نہ ہو تو وہ یوں سمجھے کہ سوڈا پلایا گیا ہے۔

سادہ لوح مولوی صاحب

جیسے رڑکی میں اس کا عکس ہوا تھا کہ وہاں ایک مولوی صاحب گئے اور رات کو ایک مسجد میں وعظ کہا اگلے دن ایک تاجر نے ان کی دعوت کی تو یہ اس کی دکان پر گئے، اس وقت وہ تاجر سوڈے کی بوتل پینے کے واسطے کھول رہا تھا، پہلے پہل سوڈے کی بوتلوں کی ڈاٹ باہر کی طرف بڑے زور سے کھلتی تھی تو اس کی تیزی سے مولوی صاحب یہ سمجھے کہ شراب پی رہا ہے آپ نے اس کو نصیحت کی کہ ہم سے محبت کرتے ہو اور شراب پیتے ہو اس نے کہا یہ شراب نہیں ہے بلکہ سوڈا ہے ان کو یقین نہ آیا کہ بھلا ایسا جوش شراب کے سوا بھی کسی چیز میں ہوسکتا ہے، اس نے پھر یقین دلایا غرض بڑی مشکل سے ان کو یقین آیا کہ واقعی سوڈا ہی ہے، اب اس تاجر نے مولوی صاحب سے بھی کہا کہ ایک بوتل آپ بھی پی لیں اوّل تو انہوں نے انکار کیا مگر اصرار کے بعد ایک بوتل پی لی تھوڑی دیر کے بعد تاجر نے یہ شرارت کی کہ بیٹھے بیٹھے جھومنے لگا، مولوی صاحب نے پوچھا کہ جھومتے کیوں ہو کہا یہ تو شراب تھی مجھے اس کا نشہ چڑھنے لگا ہے اب تھوڑی دیر میں آپ بھی اسی طرح جھومیں گے، بس یہ سن کر مولوی صاحب کا تو رنگ فق ہو گیا اور کہنے لگے اللہ کے واسطے مجھے کسی کوٹھری میں بند کر دو تا کہ مجھے نشہ کی حالت میں کوئی دیکھنے نہ پائے، لوگ کیا کہیں گے کہ رات تو یہ وعظ کہہ رہے تھے اور اب شراب پینے لگے اور خدا کے واسطے کسی سے کہنا نہیں میں تو پہلے ہی شراب سمجھ کر تمہیں بھی اس سے روکتا تھا مگر

(۱) قرآن کے الفاظ کی تلاوت کی جاتی ہے حدیث قدسی کے الفاظ کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

تم نے دھوکہ سے مجھے پلادی تاجر نے کہا اب تو جو ہونا تھا ہو چکا اب ذرا لوگ بھی تو آپ کا تماشا دیکھیں مولوی صاحب رونے لگے اور اس کی بہت خوشامدیں کرنے لگے تب وہ ہنس پڑا اور کہا مولوی صاحب آپ تو بہت ہی بھولے نکلے کہ ساری بوتل پینے کے بعد بھی آپ کو یہ احتمال باقی رہا کہ شاید یہ شراب ہی ہو میں تو آپ سے ہنسی کر رہا تھا، آپ گھبرائیں نہیں بڑی کوشش سے ان کو اطمینان ہوا تو جیسے ان مولوی صاحب نے سوڈے کی بوتل کو شراب سمجھ لیا تھا ایسے ہی بعض سالکین شراب محبت پی کر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے سوڈا پی رکھا ہے، صاحب یہ تمہاری غلطی ہے کہ تم شراب کو سوڈا سمجھتے ہو، محض اس لیے کہ اس میں تیزی کم ہے سو یاد رکھو کہ شرابیں مختلف ہیں کسی میں تیزی کم ہوتی ہے کسی میں زیادہ، اس لیے کسی میں التہاب (۱) ہے اور کسی میں نہیں جس میں التہاب نہیں ہوتا وہ اپنے کو محبت سے خالی اور محروم سمجھنے لگتا ہے غرض بعض دفعہ محبت ایسی لطیف کیفیت کے ساتھ ہوتی ہے جس کا خود صاحب محبت کو بھی پتہ نہیں چلتا مگر پہچاننے والا پہچان لیتا ہے سو اس حالت میں آپ کو محقق کی بات مان لینی چاہیے۔

عملی جواب

اسی محبت کی کمی کے تو ہم پر دو واقعے یاد آ گئے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مولانا محمد قاسم صاحب سے فرمایا کہ میں اپنے اندر حاجی صاحب کی ایسی محبت نہیں پاتا جیسے مریدوں کو شیخ سے ہوا کرتی ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کا عملی جواب دیا کہ اوّل تو اس بات کو ٹال گئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے تھوڑی دیر میں فرمایا کہ مولانا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ آپ حاجی صاحب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں بس یہ سُن کر مولانا گنگوہیؒ گھبرا گئے اور فرمایا توبہ کرو توبہ کہاں میں اور کہاں حاجی صاحبؒ میں تو ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں مجھے آپ کی اس بات سے سخت تکلیف پہنچی، تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تو یہ کہتے تھے کہ مجھے حاجی صاحبؒ سے

(۱) جوش

محبت نہیں پھر اتنی توبہ استغفار اور گھبراہٹ کیوں ہے مولانا نے فرمایا جزاک اللہ واقعی تمہاری اس بات سے مجھے معلوم ہوگیا کہ بہت محبت ہے تو مولانا نے زبانی جواب نہ دیا بلکہ عملی جواب دیا کیوں اس لیے کہ

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است لیک عشق بے زباں روشن تر است(۱)

محبت کا پیمانہ

بعض دفعہ زبانی جواب سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی جو بے زبان سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح ایک بار حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک رئیس نے گڑھی پختہ میں عرض کیا کہ حضرت حدیث میں آیا ہے کہ جب تک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوی بچوں اور ماں باپ سب سے زیادہ محبت نہ ہو اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوتا تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے ساتھ ان لوگوں سے زیادہ محبت نہیں ہے بلکہ ان سے کم ہے اس لیے اندیشہ ہوتا ہے مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے بھی اس کا عملی جواب دیا کہ اوّل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا ان رئیس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مزہ آنے لگا تو درمیان میں مولانا نے فرمایا کہ آپ کے والد صاحب بھی بڑے اچھے آدمی تھے مجھے ان کی ایک حکایت یاد آگئی بس یہ سن کر وہ رئیس کہنے لگے حضرت یہ بیچ میں آپ نے کیا بات شروع کردی، بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد کا ذکر کیسا وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کیجئے جواب تک کر رہے تھے، مولانا نے فرمایا کہ آپ کو تو اپنے والد کا تذکرہ ناگوار ہوا۔ کہا بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں کسی کا ذکر کیونکر گوارہ ہوسکتا ہے۔ فرمایا تم تو کہتے تھے کہ مجھے حضور کے ساتھ ماں باپ سے زیادہ محبت نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں ان کے تذکرہ سے ناگواری کیوں ہوئی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے مگر وہ ایسی رگ و پے میں سرایت کی ہوئی ہے کہ پتہ نہیں چلتا، موقع پر اس کا ظہور ہوتا ہے اب تو رئیس صاحب کی

(۱) ''اگرچہ تفسیر زبان کی روشن ہے لیکن عشق تو بے زبان ہی زیادہ عمدہ تفسیر بیان کرتا ہے''

آنکھیں کھل گئیں اور کہا مولانا واقعی آپ نے خوب سمجھایا، دلائل سے اس طرح سمجھ میں نہ آتا جیسا آپ نے عملاً سمجھا دیا، تو حضرت واقعی بات یہی ہے کہ مسلمان کو اللہ ورسول کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے اگر باپ ماں یا بیوی بچے نعوذ باللہ خدا اور رسول کی شان میں کچھ بے ادبی اور گستاخی کا کلمہ کہہ دیں اس وقت دیکھئے آپ کی کیا حالت ہوتی ہے کہ آپ ان کو کچا کھا جائیں گے، اور تن بدن میں آگ لگ جائے گی، اگر بیوی بچوں کی محبت زیادہ ہے تو اس وقت وہ کہاں چلی جاتی ہے موقع پر معلوم ہوجاتا ہے کہ مسلمان کو اللہ ورسول سے زیادہ کسی کی محبت نہیں جبھی تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ مگر اس کا دعویٰ نہ کرنا چاہئے کہ ہم کو اللہ ورسول کی محبت سب سے زیادہ ہے بس دل کو سمجھالو مگر زبان سے دعویٰ نہ کرو اور نہ اتنی تواضع کرو کہ اپنے کو محبت سے خالی ہی سمجھنے لگو بس یہاں تو خاموشی ہی چاہئے خود کچھ فیصلہ نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو کسی کے سپرد کردو اور جو کچھ وہ فیصلہ کردے اس پر مطمئن رہو۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خودرا عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند(۱)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب کوئی تم سے پوچھے کہ تم کو خدا سے محبت ہے یا نہیں تو سکوت کرو کچھ جواب نہ دو کیونکہ انکار تو کفر ہے اس لیے کہ اس میں تکذیب ہے حق تعالیٰ کے قول وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ کی اور اقرار دعویٰ ہے اور دعوے پر کبھی پکڑ ہوجاتی ہے اور امتحان ہونے لگتا ہے گو تحدث بالنعمۃ کے طور پر محبت ظاہر کرنا دعویٰ نہیں مگر بعض دفعہ تحدث بالنعمۃ اور دعویٰ کی صورت ایک ہوجاتی ہے لہجہ کے ذرا سے فرق سے بات بدل جاتی ہے اور تحدث نعمت دعویٰ بن جاتا ہے اور دعویٰ اس طریق میں بہت سخت چیز ہے حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ غلبہ حال میں ان کے منہ سے یہ نکل گیا۔

فليس لى فى سواك حظ فكيف ماشئت فاختبرنى(۲)

(۱) ”کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں، ورنہ گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ نہیں ہوسکتے“

(۲) ”میرے لیے آپ کے سوا کسی شئے میں لذت نہیں پس آپ ہمارے دعویٰ میں جس طرح چاہیں امتحان کرسکتے ہیں“

اہل اللہ کا امتحان

کہ مجھے آپ کے سوا کسی چیز میں حظ نہیں ہے آپ جس طرح چاہیں مجھے آزمالیجئے بس فوراً امتحان شروع ہوگیا اور امتحان بھی ایسا سخت جس کی انسان کو برداشت مشکل ہے یعنی پیشاب بند ہوگیا، پیشاب بند ہونے کی ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ الامان سارے طبیب اور ڈاکٹر عاجز ہوگئے مگر کسی طرح بند نہ کھلا کیونکہ وہ تو امتحان تھا اور دعا اس لیے نہ کرتے تھے محبوب روٹھے ہوئے تھے بس ان کے دعوے کی حقیقت تو ظاہر کردی پھر خود ہی رحم فرمایا اور ادھر ہی سے دعا کی اجازت ہوئی مگر اجازت بھی اس طرح نہیں ہوئی کہ ان سے کہا ہو یا بلاواسطہ ان کے پاس پیغام بھیجا ہو بلکہ اس طرح اجازت ہوئی کہ رات کے وقت ایک فرشتہ کو حق تعالیٰ نے بھیجا جس نے رات بھر حضرت سمنون کی آواز میں دعا کی۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ اید در حدیث دیگراں(۱)

سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سمنونؒ ہی دعا کررہے ہیں صبح کو مریدوں نے آکر عرض کیا رات کو آپ دعا کررہے تھے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہا آپ کی آواز آرہی تھی آپ سمجھ گئے کہ اُدھر سے دُعا کی اجازت ہوگئی ہے مگر اب بھی خود دعاء نہیں کی کیونکہ ادھر سے اجازت بواسطہ ہوئی تھی تو آپ نے بھی بواسطہ دعا کی واقعی محبوب کے انداز بھی عجیب وغریب ہوتے ہیں جن کو عشاق ہی سمجھتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ نازم خرام نیست بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست(۲)

حضرت سمنونؒ نے اس انداز کو سمجھ لیا کہ جب اِدھر سے بواسطہ اجازت دی گئی تو مجھے بھی بواسطہ دعا کرنا چاہئے ابھی بلاوسطہ دعا کی اجازت نہیں چنانچہ آپ نے بھی فرشتوں جیسے آدمیوں کو واسطہ بنایا یعنی معصوم بچوں کو بس روز مکتب میں جاتے اور بچوں سے کہتے ادعوا لعمکم الکذاب اے بچو! اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کرو، چچا تو اس

(۱) ''بہتر یہی ہے کہ محبوبوں کے اسرار کسی دوسرے کی زبان سے عیاں ہوں'' (۲) ''خوبی اس کرشمہ ناز وخرام کا نام نہیں ہے بہت سی ادائیں جن کا نام نہیں لیکن ان کو عاشق کا دل سمجھتا ہے''

واسطے کہ عرب میں بڑی عمر والے کو عم ہی کہا کرتے ہیں اور کذاب اس لیے کہا کہ دعویٰ نباہ نہ سکے۔ تو صاحبو! یہاں دعوے کا کام نہیں اور زیادہ تواضع بھی اچھی نہیں کہ اپنے کو محبت سے خالی کہنے لگو بس یہاں تو خاموشی ہی مناسب ہے، واقعی محبت کا راستہ بھی عجیب ہے، حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

ارے یارو جسے کہتے ہیں الفت قیامت ہے قیامت ہے قیامت ہے

ایک اور عاشق نے عشق کی حقیقت کو خوب ہی بیان کیا ہے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن دل بدست دگرے دادن وحیران بودن(۱)

بس یہاں تو یہی کرنا چاہئے کہ دل ان کو سپرد کر کے خود حیران کھڑا منہ تکا کرے زبان سے اقرار کرے نہ نفی کرے اس سے اگلا شعر بہت سخت ہے اہل ظاہر اس سے متوحش ہوں گے مگر مجمع خاص ہے اور اس سے پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ صوفیہ مجاز اور کنایہ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں، تو امید ہے کہ غلط فہمی نہ ہوگی، پھر میں اس کا مطلب بھی بیان کر دوں گا تو استبعاد رفع ہو جائے گا کہتے ہیں۔

سوئے زلفش نظرے کردن ورویش دیدن گاہ کافر شدن وگاہ مسلمان بودن(۲)

اس میں زلف سے مراد تجلیات جلالیہ ہیں اور رُخ سے مراد تجلیات جمالیہ اور کفر سے مراد فناء ہے اور اسلام سے مراد بقا ہے کیونکہ کفر میں جہل بالتصدیق ہوتا ہے اور اسلام میں علم وتصدیق ہوتی ہے اسی طرح حالتِ فناء میں کچھ خبر نہیں رہتی تو وہ مشابہ جہل کے ہے اور بقاء میں واردات وعلوم کا ادراک ہوتا ہے وہ مشابہ تصدیق اسلام کے ہے غرض یہاں بولنے چالنے کا موقع نہیں ہے حیرت ہی حیرت ہے بس گلا گھونٹ کر حجرہ بند کر کے بیٹھو اور ان کی طرف متوجہ رہو، نواب شیفتہ خوب فرماتے ہیں۔

چہ خوش ست باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن درخانہ بند کردن درشیشہ باز کردن(۳)

(۱) ''عاشقی کیا ہے کہ محبوب کا غلام بن جانا اور دل کو اس کے سپرد کر کے خود حیران رہ جانا'' (۲) ''کبھی تو محبوب کے زلف پر نظر کرنا اور حالت قبض وغم میں مبتلا ہو جانا اور کبھی اس کے چہرہ کو دیکھنا اور حالت بسط اور لذت وصال میں مسرور ہونا'' (۳) ''کیا اچھی حالت ہوگی کہ آپ کے بزم میں مخفی اور راز ونیاز کی باتیں کرنا اور گھر کا دروازہ بند کر کے شراب محبت حقیقی کا شیشہ کھولنا اور پینا''۔

سلوک کا تقاضا

پس سالکین کو چاہئے کہ ہر حالت میں راضی رہیں اور زبان کو بند رکھیں نہ اپنے کو صاحب محبت کہیں نہ خالی اور محروم کہیں میں نے بتلادیا کہ طالب محروم نہیں ہوا کرتا دیکھو کہیں خالی کہنے پہ وہ واقعی خالی ہی نہ کردیں اور بالفرض اگر تم کو محبت ہی نہ ہو جب بھی خاموش ہی رہو جب محبت تقسیم ہوگی تو تم کو بھی مل جائے گی کیونکہ چپکے کھڑے رہنے والے پر بھی رحم آجاتا ہے دیکھو جب مٹھائی تقسیم ہوتی ہے تو بعضے بچے اچھلتے کودتے اور چلاتے ہیں کہ ہمیں بھی دو اور بعضے بیچارے چپکے کھڑے رہتے ہیں تو ان پر بھی تقسیم کرنے والوں کو رحم آیا کرتا ہے کہ یہ بچہ بے چارہ کچھ نہیں بولتا خاموش کھڑا ہے اس کو ضرور دینا چاہئے تو اس کو خاموشی کی وجہ سے اوروں سے پہلے حصہ مل جاتا ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تم میں محبت نہ بھی ہو جب بھی دعویٰ یا نفی سے چلاؤ نہیں صورت سوال بن کر چپکے بیٹھے رہو ان شاء اللہ تم پر رحم کرکے ایک دن محبت عطا کردی جائے گی، صاحبو! یہ الوان (۱) محبت ہیں کسی میں التہاب واضطراب (۲) ہے اور یہ بھی انہیں کا رنگ ہے اور کسی میں جمود وخمود ہے (۳) یہ بھی انہی کا رنگ ہے میں دوبارہ مولانا کا شعر یاد دلاتا ہوں۔

عشق معشوقاں نہاں است وستیر عشق عاشق بادوصد طبل ونفیر (۱)

تو صاحب خمود کو خوش ہونا چاہئے کہ اس کو عشق محبوب کا خاص رنگ عطا ہوا ہے اور ایک حالت تردد حیرت کی ہے اس پر بھی راضی رہنا چاہئے، یہ بھی محبت کا ایک رنگ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

درتردد ہر کہ او آشفتہ است حق بگوش او معما گفتہ است (۲)

ہم لوگ آپس میں پہیلی کہا کرتے ہیں جس کو دوسرا گھنٹوں سوچتا ہے ایک اور عاشق اس مضمون کو دوسرے عنوان سے کہتے ہیں۔

---

(۱) محبت کے رنگ میں (۲) جوش وبے چینی (۳) خاموشی اور سکون (۱) ''معشوقوں کا عشق پوشیدہ رہتا ہے اور عاشقوں کا عشق ڈھول کی طرح شور مچاتا ہے'' (۲) ''جو عاشق کچھ سوچ رہا ہے تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معمہ یعنی راز محبت کہہ دیا ہے وہ بے چارہ اسی کو سوچتا ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است(۱)

تو صاحب ان کے مختلف الوان ہیں کسی کو ہنسا رکھا ہے اور کسی کو رُلا رکھا ہے، بس جس کو وہ ہنساتے ہیں وہ رونے کی ہوس نہ کرے اور جس کو وہ رلاتے ہیں وہ ہنسنے کی خواہش نہ کرے جس کو جس حال میں رکھیں راضی رہے خود کچھ تجویز نہ کرو کہ ہائے میرے اندر التہاب ہوتا اضطراب(۱) ہوتا یا صاحب التہاب یوں کہے کہ میرے اندر برودوخمود ہوتا(۲)، ان تجویزوں کو چھوڑو، میں یہ نہیں کہتا کہ تدبیر نہ کرو، تدبیر ضرور کرو، مگر تدبیر کے یہ معنی نہیں کہ حالت موجودہ سے راضی نہ رہو بلکہ تدبیر کے یہ معنی ہیں کہ کسی محقق سے اپنا حال کہہ دو پھر جو وہ کہے اس کا اتباع کرو اور یہی تدبیر ہے اور جب تک حق تعالیٰ خود تم کو بصیرت نہ دے دیں اس وقت تک محقق کا اتباع کرتے رہو اس کے بعد بے فکر رہو۔

وسوسہ سے اجتناب

طالب کو محرومی کا وسوسہ بھی نہ لانا چاہئے، ان شاء اللہ طالب ضرور واصل ہوکر رہے گا، ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی جلدی ہوتا ہے کوئی دیر سے کیونکہ آج اگر کسی پہلوان کی چار سیر خوراک ہے تو ایک بچہ یہ ہوس نہ کرنے لگے کہ میں بھی آج ہی سے چار سیر کھانے لگوں تو اس کا انجام یہ ہے کہ دو دن میں ختم ہوجائے گا، اس لیے ہر شخص کو اتنی ہی خوراک دی جاتی ہے جس کا اس کو تحمل ہے۔

چار پارا قدر طاقت بارنہ برضعیفاں قدر ہمت کار نہ
طفل را گرناں دہی برجائے شیر طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر(۲)

بچہ کو تو یہی مناسب ہے کہ اس وقت دودھ ہی پیتا رہے پھر جب رفتہ رفتہ بڑا ہوگا اس دن وہ بھی اس پہلوان کی طرح سیروں ہضم کرلے گا، جلدی مناسب نہیں تم یہ

(۱) ''پھول کے کان میں آپ نے کیا کہہ دیا ہے کہ وہ ہنس رہا ہے اور بلبل کے کان میں کیا راز کہہ دیا ہے کہ وہ ہر وقت اشکبار ہے'' (۱) جوش وخروش (۲) سکون واطمنان (۲) ''جانوروں پر بقدر تحمل بوجھ لادو، کمزور لوگوں کو ان کی صحت کے اندازہ سے کام سپرد کرو، بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دوگے تو بچہ کو اس روٹی سے مرا ہوا پاؤ گے''

چاہتے ہو کہ تمہیں خمود و جمود کی جگہ شوق وذوق والتہاب واضطراب کا رنگ عطا ہوجائے یہ تمہاری غلط تجویز ہے تم کو کیا خبر کہ شوق وذوق کے غلبہ میں تمہارا کیا حال ہوتا۔ اب تو ایمان بھی سلامت ہے، ممکن ہے کہ غلبہ شوق میں تمہارا ایمان بھی رخصت ہوجاتا۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند(۱)

بس حق تعالیٰ خود ہی ہر ایک کی تربیت اس کے مناسب حال طریقہ سے فرماتے ہیں ہم کو سمجھنا چاہئے کہ جو صورت ہمارے لیے تجویز کی گئی ہے یہی بہتر ہے، شوق وذوق بے شک عجیب آثار ہیں لیکن بعضی دفعہ خطرناک ہیں، اس لیے ہر ایک کے مناسب نہیں ہوئے، قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر قربان ہوجایئے آپ کے کہ آپ نے شوق کی دعا بھی فرمائی تو کن قیود کے ساتھ فرماتے ہیں ''واسالک شوقا الی لقائك فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مُضلۃ ''یعنی میں آپ سے شوق لقا مانگتا ہوں مگر اس طرح جس میں نہ ضراء مضر ہو، نہ گمراہ کن فتنہ ہو۔

قرآن وحدیث وتصوف

لوگ حدیثوں سے تصوف نہیں سمجھتے حالانکہ حدیث وقرآن ہی میں تصوف ہے اور کہیں نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ شوق کے لیے دو قیدیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ ضراء مضرہ نہ ہو میرے ذوق میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس سے جسمانی تکالیف پیدا نہ ہوں، دوسرے یہ کہ فتنہ مضلہ نہ ہو اس میں آپ نے بتلادیا کہ شوق کا ہر درجہ مطلوب نہیں بلکہ بعض درجات خطرناک بھی ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض دفعہ شوق کے غلبہ سے ایک ضرر تو جسم کا ہوتا ہے وہ یہ کہ جوش عشق سے بدن گھلنے لگتا ہے، جیسے تپ دق سے گھلتا ہے کہ حرارت اندر ہی اندر جسم کو کھالیتی ہے اور یہ دنیا کو بھی مضر ہے دین کو بھی کیونکہ ترقی مطلوب میں جسم کو بھی بڑا دخل ہے مدعیان تصوف اس کو نہیں سمجھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جسم جس قدر لاغر وضعیف ہوگا اسی قدر روح لطیف ہوگی اور ترقی روح سے ہوتی ہے یہ غلط

(۱) ''تم بندگی بشرط مزدوری مت کرو کیونکہ خواجہ بندہ پروری خوب جانتے ہیں''

ہے ترقی مطلوب صرف روح سے کبھی نہیں ہوسکتی ورنہ روح تو عالم بالا میں بدون جسم کے پہلے سے موجود تھی، اگر ترقی مطلوب کا مدار صرف روح پر تھا تو اُس کو جسم میں مقید کر کے کیوں بھیجا گیا، بس عالمِ ارواح ہی میں رکھا جاتا، معلوم ہوا کہ ترقی مطلوب کی بعض فرد بدن ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے کیونکہ روح مجرد سے نماز کیونکر ادا ہوتی نماز تو جسم ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، اور اگر روح کو بقول متکلمین مادی ہی مان لیا جاوے تب بھی اس سے روزہ مثلاً کیونکر ادا ہوتا کیونکہ متکلمین بھی اس کے قائل ہیں کہ روح گو مادی ہے مگر نہایت لطیف ہے جیسے ملائکہ سو جیسے فرشتوں کو بھوک پیاس نہیں لگتی، اسی طرح روح کو بھی نہیں لگتی تو روزہ کا صدور تو روح سے کبھی نہ ہوسکتا وعلیٰ ہذا۔

جسم اور اعمال کا تعلق

بہت سے اعمال جسم پر موقوف ہیں اس لیے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اسی لیے سید العاشقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان لجسدك عليك حق (۱) اور جو محققین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ذاکر کو دودھ گھی خوب کھانا چاہئے اور تمام رات نہ جاگنا چاہئے مگر آج کل جہلاء صوفیا تو یہ چاہتے ہیں کہ بس جسم کو ماردو تاکہ خدا جلدی مل جاوے جی ہاں ضرور ملیں گے وہ تو فرماتے ہیں لا تقتلوا انفسکم تو شوق میں ایک ضرر تو یہ ہوتا ہے کہ جسم کو امراض لگ جاتے ہیں جس سے اعمال نہیں ہوسکتے اور جب اعمال نہیں ہوسکتے اور جب اعمال نہ ہوئے تو ترقی بھی نہ ہوگی، شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرض کی حالت میں زیادہ اعمال نہ بھی ہوں تو اعمال صحت کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی اعمال پر موقوف نہیں بدون اعمال کے بھی ہوسکتی ہے جواب یہ ہے کہ حدیث سے تو صرف پہلے اعمال کا ثواب ملنا معلوم ہوتا ہے اس سے ترقی قرب کہاں ثابت ہوتی ہے یہ دعویٰ آپ بدون نص کے کیسے کرتے ہیں اور کسی عمل کا ثواب مل جانا اس کو مستلزم

(۱) ''بے شک تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے'' مسند أحمد: ۶/ ۲۶۸، مستدرک حاکم: ۴۶۰، اتحاف السادۃ المتقین: ۴/ ۱۵۲

نہیں کہ جو ترقی خود مباشرت عمل سے ہوتی وہ اب بھی ہوگی (دیکھو تین دفعہ قل ہواللہ پڑھنے کا ثواب پورا قرآن کے برابر ہے تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ تین دفعہ قل ہواللہ کہنے سے ترقی بھی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی پورے قرآن مجید کی تلاوت سے ہوئی ہے یا صبح کی نماز کے بعد طلوع شمس تک ذکر اللہ کرنے کا ثواب حج وعمرہ کے برابر ہے تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس شخص کو وہی قرب ہوگا جو حج وعمرہ کرنے والے کو ہوتا ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ۱۲) دوسرے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حالت مرض میں باوجود قلت اعمال کے ترقی بھی مثل صحت کے ہوتی ہے تو یہ بھی بدون اعمال کے نہیں بلکہ اعمال ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ حالت صحت میں اعمال ہو چکے ہیں، اسی کے ساتھ حالتِ مرض کو ملحق کر دیا گیا(۱) اگر ملحق بہ (۲) نہ ہوتا تو یہ الحاق کیسے ہوتا معلوم ہوا کہ اصل سببِ ترقی اعمال ہی ہیں دوسرا ضرر یہ ہوتا ہے کہ حالت شوق میں بعض دفعہ انسان حق تعالیٰ سے بہت کھل جاتا ہے پھر نہ معلوم کیا کیا بکنے لگتا ہے جیسے بعض اہلِ دل ادلال ہوئے ہیں گو ان سے خود مواخذہ نہ ہو مگر اضلال تو ضرور ہوتا ہے کہ دوسرے اس کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں اور یہ نقص ہے علاوہ ازیں بعض دفع غلبہ ادلال میں حد سے نکل کر خود بھی یہ شخص گمراہ ہوجاتا ہے کیونکہ کسی وقت ایسا غلبہ حال نہیں ہوتا جس میں زبان پر قابو نہ ہو مگر زبان سے بے ساختہ کچھ نکل جاتا ہے جس میں یہ اپنے کو معذور سمجھتا ہے اور واقع میں معذور نہیں ہوتا تو مواخذہ میں گرفتار ہوجاتا اور بارگاہ قرب سے نکال دیا جاتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوق کی طلب میں یہ دو قیدیں بڑھادیں، سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو جملوں میں معانی کو کس طرح قید فرمایا ہے کہ دو لفظوں میں تمام مضرات سے پناہ مانگ لی، غرض غلبہ شوق میں یہ آفات ہیں اس لیے تم اپنے لیے کچھ تجویز نہ کرو اور اگر تم کو غلبہ شوق نہ عطا ہوا تو سمجھ لو کہ شاید تمہارے لیے غلبہ شوق میں کوئی آفت ہوتی اس لیے خدا تعالیٰ نے تم کو بردو خمود میں رکھا وہی ہر حالت کی حکمتوں کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

(۱) ملادیا گیا (۲) اگر عمل نہ ہوتا تو کیسے ملاتے

آنکس کہ تونگرت نمی گرداند او مصلحتِ تو از تو بہتر داند(۱)

اور اگر کسی کو شوق کا غلبہ عطا ہوا ہو تو وہ اسی میں راضی رہے وہ جمود وخمود کو طلب نہ کرے، ممکن ہے کہ اس کے واسطے یہی ضروری ہو، کیونکہ بعضے انجن تو ہوا سے چلتے ہیں اور بعضے انجن آگ سے چلتے ہیں ممکن ہے کہ اس کے انجن کے لیے حرارت ہی کی مناسبت ہو اگر یہ حرارت سے خالی ہوگیا تو کھڑا کھڑا رہ جائے گا جیسا کہ حضرت عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز ودور دیدم رہ ورسم پارسائی(۲)

محبت نقشبندی اور چشتی کی مثال

بہر حال محبت کا ایک رنگ التہاب ہے اور ایک رنگ خمود بھی ہے بس صاحب خمود بھی اپنے کو محروم نہ سمجھے، اب میں ان دونوں نسبتوں کی مثال دیتا ہوں کہ ان میں ایک لون چشتیہ ہے(یعنی التہاب واضطراب) اور ایک لون نقشبندیہ ہے (یعنی برود وخمود) پس اگر کوئی صاحب حرارت نہ ہو وہ گھبرائیں نہیں بلکہ یہ سمجھ لے کہ مجھ کو لون نقشبندیہ حاصل ہے گو وہ چشتیہ کا مرید ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتیہ ہی پیدا ہوں بلکہ کبھی چشتیہ سے نقشبندی پیدا ہوتے ہیں اور کبھی نقشبندیہ سے چشتی پیدا ہوتے ہیں جیسے مرغی کے نیچے بطخ کے انڈے رکھ دو تو بچے بطخ کے ہوں گے کہ وہ تو ذرا بڑے ہو کر دریا میں تیریں گے اور ماں کھڑی منہ تکے گی وہ دریا میں تیر نہ سکے گی اور نہ بچے اس کے پاس رہ سکیں گے گو وہ کتنا ہی بلاتی رہے کیونکہ بطخ کے بچوں کو تو دریا ہی سے مناسبت ہوگی گو تربیت مرغی کے نیچے ہوئی ہو وہ اس کے بلانے سے خشکی پر نہیں رہ سکتے اسی طرح چشتی شیخ کے سارے مرید چشتی نہیں ہوسکتے بلکہ بعضے نقشبندی ہوں گے ان کو آگ سے مناسبت ہوگی۔

(۱)'' جو تجھے امیر نہیں بناتے وہ خوب جانتے ہیں کہ تیری ہی مصلحت کے یہ خلاف ہے کہ تجھے مالدار بنادیا جائے کیونکہ وہ تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتے ہیں''(۲)''اے محبوب راہ عشق اور طریق جذب سے ہم کو راستہ طے کرادیجئے کیونکہ زہد خشک کا راستہ بہت طویل نظر آتا ہے''

قیاس فاسد کی مثال

ہاں کوئی قیاس فاسد کرے تو اور بات ہے جیسے ایک احمد شخص نے کسی کو دیکھا تھا کہ وہ کڑی (۱) دکھا کر بھینس کو ڈیوڈیو (۲) کر رہا تھا اس نے پوچھا کہ تم کڑی کو کیوں دکھا رہے ہو، کہا اسے دیکھ کر بھینس کنارہ پر آجائے گی، ایک دفعہ ان حضرت کی چارپائی ندی میں بہہ گئی، تو آپ دوڑ کر گھر سے پیڑھا لائے اور اُسے چارپائی کو دکھا کر ڈیوڈیو کرنے لگے کسی نے کہا میاں یہ کیا؟ کہا کہ یہ چارپائی کا بچہ ہے اسے دیکھ کر وہ چلی آئے گی اسی طرح ایک شیخ تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا تھا اس کو چڑھنا ہی آتا تھا اترنا نہ جانتا تھا جب اترا نہ گیا تو شور کرنے لگا کہ مجھے اتارو میں گرا، لوگ حیران ہوئے کہ کس طرح اتاریں تو بوج بجکڑ (۳) بلایا اس نے کچھ دیر سوچ کر کہا بس تدبیر سمجھ میں آگئی اس کے پاس ایک رسا پھینکو چنانچہ پھینکا گیا پھر اس سے کہا کہ اسے کمر میں مضبوط باندھ لے اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ اسے زور سے جھٹکا مارو وہ سسرا نیچے گرا اور گرتے ہی مر گیا لوگوں نے بوج بجکڑ سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا۔ کہا افسوس ہے کہ اس کا وقت ہی آگیا تھا ورنہ ہم نے تو اس طرح کنویں میں سے بہت سے آدمی نکالے ہیں سو یہ تو قیاس فاسد ہے۔

اختلاف طبائع

ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ہر شخص کی طبیعت جدا ہے اور اس کے لیے طریقہ تربیت بھی الگ ہے سب کو ایک لاٹھی نہ ہانکنا چاہئے یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ شاید کوئی شخص چشتیہ سے مرید ہو اور صاحب حرارت نہ ہو بلکہ صاحب سکون ہو تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں نہ تو نقشبندی ہوسکتا ہوں کیونکہ چشتیہ سے مرید ہوں اور نہ چشتی ہوں کیونکہ صاحب سکون ہوں تو بس میں کورا ہی ہوں، صاحب! کورا تو نہیں ہے ہاں کور (۴) بے شک ہے کہ اس کے پاس دولت موجود ہے مگر اندھا ہے خواہ مخواہ اپنے کو محروم سمجھتا ہے تو یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتی ہی پیدا ہوں، نقشبندی پیدا نہ

(۱) بچھیا بھینس کا بچہ (۲) آجا آجا (۳) گاؤں کے سیانے (۴) اندھا

ہوں بلکہ یہاں ہر ایک سے دونوں طرح کے رنگ حاصل ہوتے ہیں یہاں اب وولد(۵) میں مناسبت ضروری نہیں جیسا کہ ابوت ونبوت(۶) ظاہریہ میں بھی مناسبت تامہ ضروری نہیں چنانچہ کالے سے گورے اور گورے سے کالے پیدا ہوتے کبھی باپ احمق ہوتا ہے اور بیٹا ذہین کبھی برعکس۔

چشتی نقشبندی اور حنفی وشافعی کے اختلاف کی حقیقت

مگر بعضے ایسے جامد ہوتے ہیں کہ نقشبندی خاندان میں بیعت ہوکر چشتی بننا گوارا نہیں کرتے بعضے چشتی سلسلہ میں مرید ہوکر نقشبندی بننا گوارا نہیں کرتے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نقشبندی کے مرید نے قبض کی شکایت کی حضرت نے اس کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ میں تو نقشبندی ہوں میں ذکر جہر کیوں کروں، فرمایا پھر مت کرو سو یہ محض جہالت ہے صاحب! نقشبندی اور چشتی میں حنفیہ شافعیہ کا سا اختلاف نہیں ہے جو حنفی یوں کہے کہ میں امام کے پیچھے فاتحہ کیوں کر پڑھوں میرے مذہب میں تو حرام ہے بلکہ ان دونوں میں ایسا اختلاف ہے جیسا اطباء اور ڈاکٹروں میں ہوتا ہے اب اگر طبیب یونانی کوئی ڈاکٹری دوا بتلائے یا ڈاکٹر کوئی یونانی دوا بتلائے تو کیا حرج ہے اسی طرح اگر کوئی نقشبندی ذکر جہر کو کسی کے لیے نافع بتلائے یا کوئی چشتی اپنے کسی مرید کو ذکر خفی بتلائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی تقیید(۱) نہیں تھی ہر شخص کے لیے اس کے مناسب تجویز فرماتے تھے کسی کو بالجہر (۲) کسی کو بالسر کسی کو تلاوت قرآن کسی کو تکثیر نوافل کسی کو خدمت خلق، چنانچہ بعض کے لیے صرف اس کو نافع فرماتے تھے کہ تم اہل خانقاہ کی روٹی گوشت لادیا کرو پس مشائخ اور طالبین کو ایسا ہونا چاہئے یہ نہیں کہ نقشبندی خاندان میں داخل ہوئے ہیں تو اب جہر کو حرام سمجھ لیں چاہے کیسی ہی ضرورت ہو یا چشتی ذکر خفی کو حرام سمجھ لیں چاہے کسی کے واسطے جہر مناسب ہو یا نہ ہو۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (مشائخ اور طالبین)۔

---

(۵) باپ بیٹے میں مناسبت ضروری نہیں (۶) بیٹے کا باپ کے ہم رنگ ہونا ضروری نہیں کہ دونوں ظاہری طور پر ایک جیسے ہوں (۱) قید نہیں تھی (۲) کسی کو بآواز بلند ذکر کرنے کا حکم دیتے کسی کو آہستہ۔

أخبارالجامعة

22 جون: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہٰذا لاہور نے معروف دینی مدرسہ (آس اکیڈیمی) کا دورہ فرمایا جہاں مجلسِ منتظمہ واساتذہ کرام سے ملاقات میں نصابِ تعلیم ونظام تعلیم کے حوالہ سے تفصیلاً راہنمائی فرمائی۔

25 جون: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک (مرکز) کے سامنے ایک خوبصورت عمارت تیار ہوئی جس کا افتتاح حضرت مہتمم صاحب اور حضرت نائب مہتمم صاحب (زید مجدہما) کی زیر پرستی اس دعاء کے ساتھ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جامعہ ہٰذا کو عالمِ اسلام کا عظیم دینی گہوارہ بنائے اور اِس کا فیضان پورے عالَم میں جاری وساری فرمائیں اور جن مخلص احباب گرامی کے تعاون سے یہ عمارت جامعہ کو حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ اُن کے لیے بھی صدقہ جاریہ فرمائیں۔آمین ثم آمین

❁ جامعہ ہٰذا میں 6 جولائی 2022ء تا 15 جولائی 2022ء (10 یوم) عیدالاضحیٰ کی تعطیلات اور 16 جولائی 2022ء تا 29 جولائی 2022ء موسم گرما کی تعطیلات رہینگی۔ 30 جولائی 2022ء سے تعلیم کا آغاز ہوگا۔